اردو کی شاخ

ہریانی زبان میں تالیفات

(از "اورینٹل کالج میگزین" بابت ماہ نومبر ۱۹۳۱ء و فروری ۱۹۳۲ء)

(۱)

جغرافیائی حیثیت سے ہریانے کا اطلاق اس قطعۂ زمین پر ہوتا ہے جو اکثر ضلع حصار اور بعض علاقۂ رہتک پر شامل ہے۔ اس کی حدود میں تحصیل فتح آباد اور حصار کا مشرقی حصہ، تمام تحصیل ہانسی، تحصیل بھوانی کے نصف شرقی کا بعض حصہ، ریاست جیند کی نظامت دادری کا شمال مشرقی حصہ، ریاست دوجانہ کا بعض علاقہ اور ضلع رہتک میں شہر رہتک و سہم، جھجر و کلانور وغیرہ شامل سمجھنے چاہییں۔

ہریانے کی وجہ تسمیہ درست طور پر معلوم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں مختلف توجیہیں پیش کی جاتی ہیں؛ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ایک نامعلوم زمانے میں اودھ سے ایک راجہ ہری چندر نے آ کر اس علاقے کو بسایا تھا، اس لیے راجہ کے نام پر یہ ملک ہریانہ کہلانے لگا۔

دوسری تشریح یہ ہے کہ ہریانہ دراصل ہندی لفظ 'ہری' یعنی مقتول سے ماخوذ ہے۔ چوں کہ یہاں ایک گاؤں میں جو جیند سے چند میل مغرب میں واقع ہے، پرسرام نے اکیس مختلف موقعوں پر کھتریوں کا قتل عام کیا تھا، اس لیے تمام خطے کا نام ہریانہ پڑ گیا۔

ایک جدید توجیہ یہ ہے کہ ہریاہن ایک جنگلی بوٹی اس علاقے میں عہد قدیم میں کثرت سے ہوا کرتی تھی اس لیے بوٹی کے نام پر تمام پرگنہ ہریانہ کہلایا۔

ایک تاویل حسب ذیل ہے کہ ہریانہ 'ہرے' یعنی سبز سے ماخوذ ہے۔ جن دنوں اس علاقے میں دریائے سرسوتی بہتا تھا، ان دنوں یہاں کی زمین بہت سرسبز و شاداب تھی؛ چناں چہ ہریالی کی نسبت سے ہریانہ کہنے میں آیا۔ (صفحہ ۱۸، حصار گزیٹیر، ۱۹۰۴ء)

ہریانہ بہر حال مسلمانی عہد سے قبل کا نام معلوم ہوتا ہے کیوں کہ تاریخ طبقات ناصری میں ایک موقعے پر یہ نام ہمیں ملتا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ اطراف دہلی کے پہاڑی باشندے مسلمانی مقبوضات میں لوٹ مار کی غرض سے گھس آتے تھے اور دور دور تک چھاپے مارتے تھے؛ چناں چہ سوالک، جہانہ اور ہریانہ کی نواح میں یہ وارداتیں کثرت سے ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ ہانسی کے علاقے سے جو سلطان ناصر الدین محمود (۶۴۴ھ تا ۶۶۴ھ) کے عہد میں الغ خان معظم بلبن کی جاگیر میں تھا، سرکاری اونٹوں کا گلہ ہنکا کر لے گئے۔ اس لیے ۶۵۸ھ میں بلبن بیس ہزار فوج اپنے ساتھ لے کر ان کی سرکوبی کو جاتا ہے۔ طبقات کی عبارت یہ ہے:

"الغ خان معظم را عزیمت جہت کوہ پایہ اطراف حضرت مصمم گشت کہ در این کوہ پایہ جماعت مفسدہ بودند کہ مدام قطع طریق و نہب اموال مسلمانان و تفرقۂ رعایا و تاراج دیہہ ہائے حوالی ہریانہ و سوالک و بیانہ از لوازم فساد ایشان بود و پیش ازیں تاریخ بسہ سال گلہ ہائے شتر از جملہ خدم و مخلصان درگاہ الغ خانی عز نصرہم از حوالی ولایت ہانسی بردہ بودند۔"

(طبقات ناصری از منہاج سراج، صفحہ ۳۰۳)

لسانی حیثیت سے ہریانے کا اطلاق اضلاع کرنال و دہلی و رہتک، جنوب مشرق گوشۂ علاقہ ریاست پٹیالہ، مشرق علاقہ حصار پر نیز ریاستہائے نابھہ و جیند کے اس متفرق علاقے پر جو اضلاع رہتک و

حصار کے سابق ہے ، کہا جا سکتا ہے جس کی حدود اربعہ حسب ذیل ہیں :

مشرق میں حد فاصل دریائے جمنا ہے جو اسے بالائی دوآبے سے منفصل کرتا ہے ، شمال میں ضلع انبالہ ، جنوب میں ضلع گوڑگانوہ ، مغرب میں ریاست پٹیالہ اور جنوب میں ضلع حصار ۔ اس رقبے میں وہ حصہ جو ضلع کرنال و دھلی پر شامل ہے اور جمنا کے مشرق کنارے پر واقع ہے ، کھادر کہلاتا ہے اور وہ علاقہ جو ریاست پٹیالہ میں نرواتا سے شروع ہو کر جنوب میں جیند نظامت ضلع رھتک اور نصف مشرق نظامت دادری ریاست جیند اور نصف شمالی حصہ ریاست نابھہ واقع مغرب ریواڑی ، بانگڑ کے نام سے موسوم ہے ۔ اس تمام علاقے یعنی هریانہ ، کھادر اور بانگڑ میں ایک ھی زبان بہ ادنیٰ تغیر بولی جاتی ہے ۔ لیکن جغرافیائی بنا پر اس کے دو نام ہو گئے ہیں ، یعنی هریانہ میں 'هریانی' اور بانگڑ میں 'بانگڑو' ۔ مگر تعلیم یافتہ هریانی نام پسند کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ اسے 'دیہاری' اور 'دیسوالی' بھی کہتے ہیں ۔ دھلی میں 'جاٹو' بھی کہتے ھیں ۔ سرکاری رپورٹ اور دیگر مصنفین کا بیان ہے کہ اس زبان میں کسی قسم کا علم ادب نہیں ہے ۔ (بیانئی لسانی ، از سر جارج گریرسن ، جلد نہم ، صفحہ ۹۹)

هریانی پر کئی زبانوں کے اثرات کام کر رہے ہیں ، یعنی مشرق میں گوڑگانوے کی سمت برج بھاکا کی وہ شاخ جسے مسٹر ای ۔ جوزف[1] امیرواٹی کے نام سے یاد کرتے ہیں ؛ ٹھیک جھجر پر آ کر اس سے مل جاتی ہے ۔ جنوب میں راجستھانی یا مارواڑی سے اسے واسطہ پڑتا ہے اور شمال میں پنجابی سے جہاں پٹیالہ و دیگر ریاستیں اٹھارھویں صدی عیسوی کے اواخر سے قائم ہو گئی ہیں ۔

هریانے میں قدیم زمانے سے مسلمان کثرت سے آباد تھے ۔ دھلی کے قرب کی وجہ سے ظاہر ہے کہ یہاں مسلمان آبادی بڑی تعداد میں ہوگی ۔ سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جن سے

۱۔ جرنل ۔ ڈ ۔ س ۔ ب ۔ ۱۹۱۰ء 'جاٹو زبان کی فرھنگ ۔'

ان کی آبادی اس نواح میں کم ہو گئی ہے ۔

اسلامی عہد کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غزنوی عہد میں سلطان مسعود شہید (۴۲۱ھ و ۴۳۲ھ) نے ہانسی کو فتح کیا ہے ۔ ایک عرصے کے بعد اگرچہ ہانسی غزنویوں کے قبضے سے نکل جاتا ہے لیکن سرستی جو ان زمانا سرسہ کہلاتا ہے ، مسعود ثالث (۴۹۲ھ و ۵۰۹ھ) کے دور میں ان کے مقبوضات میں شامل تھا ۔ یہ اطلاع ہمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کی مثنوی کے ایک مصرعے سے ملتی ہے ۔ میں وہ مصرع آپ کو سنا دیتا ہوں : ع

عامل سرستی ازو برخورد

ہانسی قدیم زمانے میں ہریانے کا صدر مقام تھا ۔ اس شہر میں کثرت کے ساتھ مسلمانی آثار اور کتبے جو ہمیں غوریوں کے عہد تک لے جاتے ہیں ، ملتے ہیں ۔ اس کے علاوہ شیخ جمال الدین قطب ہانسوی ، شیخ قطب الدین منور و دیگر مشائخ کی بنا پر یہ شہر دین داری اور مسلمانی علوم کا سر چشمہ رہا ہے ۔ شعرا میں شیخ جمال الدین مذکور کے علاوہ مولانا مغیث ہانسوی نے زیادہ شہرت پائی ہے ۔ ان کا زمانہ آٹھویں صدی ہجری ہے ۔ پٹھانوں کے عہد سے اس شہر کی اہمیت گھٹ جاتی ہے ، تاہم عالمگیر کے زمانے میں عبدالواسع ہانسوی نے فارسی میں ناموری حاصل کی ہے ۔ نارنول پٹھانوں کے عہد سے مرکزی حیثیت اختیار کر لیتا ہے ۔ اس شہر میں سوریوں اور مغلوں کی ٹکسال برابر رہی ہے ۔ جھجر کو اٹھارھویں صدی عیسوی میں عروج ملتا ہے جب وہ نوابان فرخ آباد کے زیر حکومت آ جاتا ہے ۔

تغلقوں کے عہد میں فیروز شاہ (۷۵۲ھ و ۷۹۰ھ) نہریں لا کر اس علاقے کو سرسبز اور خوش حال بنا دیتا ہے ۔ سرکاری گزیٹیر میں بہ حوالۂ تاریخ مبارک شاہی لکھا ہے کہ فیروز شاہ ایک نہر دریائے ستلج سے کاٹ کر جھجر میں لایا تھا (صفحہ ۴۴، رہتک گزیٹیر) ۔

اس بادشاہ نے فتح آباد اور حصار فیروز دو شہر اس نواح میں آباد کیے ہیں ۔ پہلا شہر آج کل تحصیل ہے ، دوسرا شہر جو اب اجمالاً

حصار کہلاتا ہے ، ضلع حصار کا صدر مقام ہے ۔ فیروز شاہ ایک اور نہر دریائے جمنا سے کاٹ کر حصار فیروزہ تک لے گیا تھا ۔ نواب علی مردان خان ۱۶۴۳ء میں بہ عہد شاہ جہان اسی نہر کی مرمت کرکے رہتک کے راستے دہلی لے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن ناکام رہتا ہے ۔ بالآخر نہر کا راستہ زیادہ مشرق اختیار کیا جاتا ہے اور رہتک کو اس نہر کی ایک شاخ کے ذریعے سے ملحق کر دیا جاتا ہے ۔ (صفحہ ۱۸ ، رہتک گزیٹیر ، ۱۹۱۰ء)

حصار گزیٹیر میں اس نہر کو نہر مغربی جمنا کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور لکھا ہے کہ مغربی نہر جمنا فیروز شاہ نے ۱۳۵۵ء میں تعمیر کی جو پہلے صرف ہانسی تک تھی ۔ آئندہ اسے نوتعمیر شہر یعنی حصار فیروزہ تک بڑھا دیا گیا ۔ (صفحہ ۳۴ ، حصار گزیٹیر ، حصہ الف ، ۱۹۱۵ء)

فرخ سیر کے عہد میں بلوچوں نے اس نواح میں اپنی ریاست کی بنیاد ڈالی ۔ ریاست کا بانی دلیل خان ہے جو بادشاہ کی طرف سے فوجدار خان کے خطاب سے سرافراز ہوتا ہے ۔ ضلع گوڑ گانوے میں فوجدار خان ایک نیا شہر فرخ سیر کے نام پر فرخ نگر آباد کرتا ہے اور یہی شہر اس کا دارالریاست بن جاتا ہے ۔ اس کے فرزند کامگار خان نے جو ۱۱۶۱ھ ، ۱۷۴۷ء میں گدی نشین ہوتا ہے (میں یہ واقعات تاریخ جھجھر تالیف منشی غلام نبی تحصیل دار ، ۱۸۶۶ء سے نقل کر رہا ہوں) اپنے مقبوضات کو پھیلانا شروع کیا ۔ ۱۱۶۷ھ ، ۱۷۵۳ء میں پرگنہ جھجھر پر اس کا قبضہ ہو جاتا ہے ۔ بہت جلد بعد شاہی حکم سے وہ جیند ، ہانسی اور حصار تک کا علاقہ اپنی حکومت میں شامل کر لیتا ہے ۔ کامگار خان ۱۱۷۴ھ ، ۱۷۶۰ء میں فوت ہوتا ہے ۔ اس کے فرزند موسیٰ خان کے عہد میں بھرت پور کے جاٹ اس علاقے پر حملہ کرتے ہیں اور نواب فرخ نگر میں محصور ہو جاتا ہے ۔ جب حملہ آور شہر کی فتح سے مایوس ہو جاتے ہیں وہ خداعی سے کام لیتے ہیں اور صلح کر لیتے ہیں ۔ صلح کے بعد نواب قلعے سے نکل کر جواہر سنگھ خلف سورج مل جاٹ سے ملنے کے لیے جو جاٹوں کا

سپہ سالار تھا ، اس کے لشکر میں جاتا ہے اور مع اپنے تمام اراکین و عائد کے گرفتار کر لیا جاتا ہے اور تمام ریاست پر جاٹوں کا قبضہ ہو جاتا ہے - نجف خاں ، شاہ عالم کا وزیر جاٹوں کو بے دخل کرتا ہے اور نواب موسیٰ خاں ۱۱۸۹ھ و ۱۷۷۵ء میں شہر فرخ نگر پر دوبارہ قابض ہو جاتا ہے - جھجھر کچھ عرصے کے لیے شمرو اور بیگم شمرو کی جاگیر میں آ جاتا ہے ، پھر نجف قلی خاں کی جاگیر میں دے دیا جاتا ہے ۔ ۱۲۰۳ھ ، ۱۷۹۰ء میں جھجھر پر سکھوں کا قبضہ ہو جاتا ہے - دوسرے سال مرہٹے گھس آتے ہیں اور سکھ چل دیتے ہیں - مرہٹوں کے زمانے میں ایک انگریز طامس نامی اس نواح میں عروج حاصل کرتا ہے ۔ ابتدا میں یہ طامس مرہٹوں کا ملازم تھا ، بعد میں وہ تمام ہریانے کا خود مختار حکمراں بن گیا اور ۱۸۰۲ء تک بالاستقلال حکومت کرتا رہا ۔ آخر میں سکھ ، جاٹ اور مرہٹے اعادی اس پر حملہ کرتے ہیں اور بہ دقت تمام اس کو ہزیمت دیتے ہیں اور طامس اس علاقے سے دست بردار ہو کر انگریزی علاقے میں چلا جاتا ہے ۔ اس واقعے کے دو سال بعد ہریانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تصرف میں آ جاتا ہے ۔

یہ موٹے موٹے سیاسی واقعات ہیں جو اٹھارھویں صدی عیسوی میں ہریانے میں رونما ہوئے ہیں اور ان واقعات نے زبان پر بھی اثر ڈالا ہے - ہمارے عہد کی ہریانی گویا مختلف زبانوں کی رزم گاہ بن گئی ہے ۔ برج بھاکا مشرق سے بڑھتی ہوئی عین جھجھر کے کنارے آ لگی ہے ۔ پنجابی شمال سے اس کے علاقے کے اندر بہت دور گھس آئی ہے ، جنوب سے نو آباد کاروں کے ذریعے سے مارواڑی داخل ہو گئی ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ ہریانے کے مختلف دیہات میں مختلف قسم کی بولی سننے میں آتی ہے ۔ مثلاً کلانور[1] میں جو رہتک کے پاس ایک قصبہ ہے ، بولتے ہیں :

"تیں کب گیا تھا" یعنی تو کہاں گیا تھا ، لیکن کلانور سے

---

[1] یہ اس کلانور سے مختلف ہے جہاں اکبر کی تخت نشینی ہوئی تھی اور جو موجودہ ضلع گورداس پور میں واقع ہے ۔ (مرتب)

ساحلی دیہات میں یہی جملہ یوں بولا جاتا ہے ''توں کتھے گیو تھو''
جو سراسر برج بھاشا کا پرتو ہے۔

یہ بوقلمونی اس زبان کے افعال تک میں نفوذ کر گئی ہے۔ مثلاً
فعل حال کی گردان لیجیے :

وا (جاوے ، جا) ہے۔ وے (جاویں ، جاں) ہیں۔ ہیں (جاوے
جا) ہے۔ تم جاؤ ہو۔ میں جاؤں ہوں۔ ہم جاواں ہاں۔

دوسری صورت میں 'ہ' 'س' کے ساتھ بدل جاتی ہے۔ یعنی :

وا ، اوہ جا سے۔ وہہ جاسیں۔ توہہ جا سے ، تہم (تم ، توہہ)
جاؤ سو۔ میں جاں سوں ، ہم (جاں ، جاواں) ساں۔

ماضی قریب :

اس (اونہہ) نیں کہیو سے۔ آن نیں کہیو سے۔ توہہ نیں کہیو
سے۔ تم نیں کہیو سے۔ من نیں کہیو سے۔ ہم نیں کہیو سے۔

ماضی بعید :

اوہ کہے تھا۔ وے کہیں تھے۔ تو کہے تھا۔ تم کہو تھے۔
میں کہوں تھا۔ ہم کہاں تھے۔

ادھر ماضی عنائی ملاحظہ ہو جو پنجابی معلوم ہوتی ہے :

وا (اوہ) کہندا۔ وینہہ کہندے۔ توہہ کہندا۔ تہم کہندے۔
میں کہیندا۔ ہم کہیندے۔

'نے' بہ حیثیت علامت فاعل و مفعول کثرت سے استعمال ہوتا ہے،
مثلاً 'من نے صاحب نے مارا' یعنی مجھے صاحب نے مارا۔ ایک اور
مثال سنیے :

''اس نے گئے نے کے سال ہوئے'' یعنی اسے گئے کے سال ہوئے۔

راؤ محمد عثمان ساکن کلانور ضلع رهتک جنہوں نے میرے لیے هریانی
زبان کی قواعد کا ایک مختصر سا خاکہ تیار کیا ہے ، لکھتے ہیں
کہ اس زبان میں لفظ کا آخری 'الف' اکثر 'واؤ' کے ساتھ بدل جاتا

ہے ، مثلاً اردو کے "کیا کہا" ہریانی میں "کے کہو" ہے اور "کہاں گیا تھا" "کت گیو تھو" ہے ۔

مختصر یہ ہے کہ الف واؤ سے بدل جاتا ہے ۔ مسٹر ای ۔ جوزف آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ جنھوں نے جاٹو زبان کی ایک مختصر سی فرہنگ جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بابت ۱۹۱۰ء شائع کی ہے ، یہ تغیر جھجھر کے عین جنوب میں ظاہر کرتے ہیں ۔ ان کا بیان ہے کہ جیسے ہی ہم شہر جھجھر سے نکلتے ہیں ، جنوب کے جاٹوں میں آہیرواٹی کا اثر مشاہدہ کرتے لگتے ہیں ۔ اس زبان کی بڑی علامت یہ ہے کہ آخری الف واؤ میں تبدیل ہو جاتا ہے ۔ مثلاً اگر کسی جھجھر کے اہیر یا اس کے ہمسایہ جاٹ کو یہ کہنا مقصود ہو "بڑا اچھا باجرا ہوا ہے" تو وہ کہے گا "بڑو آچھو باجرو ہوو" (صفحہ ۹۹ ، جرنل ۔ ا ۔ س ۔ ب ۔ ۱۹۱۰ء)

میں اس زبان کے قواعد کی تفصیلی کیفیت بیان کر کے آپ لوگوں کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا ۔ اسی قدر کہنا مناسب ہے کہ اگرچہ فی زمانا اس زبان میں بہت کچھ ابتری آگئی ہے لیکن عالمگیر اور اس کے بعد کے زمانے میں اس کی یہ حالت نہیں تھی ۔ اس عہد کی ہریانی بہ استثنا بعض امور اردو زبان کے بہت قریب تھی ۔ نہ "الف" "واؤ" سے بدلتا ہے ، نہ "ہ" "س" سے بدلی ہے اور نہ مفعولی "نے" نظر آتا ہے ۔ نہ اس کی صرف و نحو اور بول چال میں اس قدر اختلاف ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اس عہد کی اردو یہی ہے ۔

شمالی ہندوستان میں حسن قسمتی سے ہریانہ ہی وہ مقام ہے جہاں مقامی زبان میں ادبیات کی اشاعت کی تحریک سب سے پہلے شروع ہوئی ہے ۔ ہانسی ، جھجھر ، رہتک ، نارنول اور سہم اس خصوص میں قابل ذکر ہیں ۔ ہم ان اسباب سے جو اس تحریک کو بروئے کار لاتے ہیں ، قطعاً بے خبر ہیں لیکن ان کے آثار سے آگاہ ہیں ۔ دیکھا جاتا ہے کہ یہ تحریک مختلف قصبوں میں کام کر رہی ہے ۔ اس کا پہلا اثر یہ ہوا ہے کہ مقامی زبان کو تعلیم کا ذریعہ قرار دیا جاتا ہے اور اس

مقصد کو مدنظر رکھ کر نئے تعلیمی نصاب تیار کیے جاتے ہیں ۔ عالمگیر کے عہد کے مشہور فارسی دان میر عبدالواسع ہانسوی اس نقطۂ نظر سے اپنا نصاب سہ زبان جو "صمد باری" کے نام سے مشہور ہے تیار کرتے ہیں ۔ یہ نصاب "خالق باری" کی طرز کی چیز ہے ، لیکن خالق باری سے کہیں بہتر اور مفید ہے ۔ ذیل میں اس نصاب کے بعض ابیات نقل ہوتے ہیں جن سے آپ کو اس تالیف کا اندازہ ہوجائے گا :۔

خواندن نوشتن فہمیدن جانو   پڑھنا لکھنا سمجھنا مانو
آوردن بردن سوختن کہیے   لانا لیجانا جلانا لہیے
پختن سودن شخالیدن جان   پکانا گھسنا کھرچنا مان
سرشتن کوفتن درشتن کہو   گوندھنا کوٹنا روسنا لہو
تافتن بافتن ساختن جانو   باٹنا بنتا سنوارنا پہچانو
مزیدن جاویدن بلعیدن جان   چوسنا چابنا نگلنا مان

یہ اشعار میں نے اس کے آخری باب ، باب مصادر سے نقل کیے ہیں ۔ باقی کتاب میں عبدالواسع نے ہر مصرعے میں عربی ، فارسی اور ہندی الفاظ کا التزام بالترتیب کیا ہے ۔ مثلاً ابتدا کے اشعار :

صمد پاک نرنجن جان   نبی پیمبر سیٹھ پہچان
ملک فرشتہ دیوتا مان   صحیفہ نامہ پاتی بکھان
فلک سپہر انبر کہیے   ارض زمین دھرتی لہیے

خاتمہ کتاب میں یہ شعر آتا ہے :

عبدالواسع سے یہ کتاب   تین زبانوں کی ہے نصاب

نصاب سہ زبان کئی مرتبہ چھپ چکا ہے ۔

خیر ایسے نصاب تو اس وقت ہندوستان کے اور حصوں میں بھی تیار ہو رہے ہیں لیکن دوسری بڑی بات جو اور علاقوں میں نظر نہیں آتی اور اس خطے میں دیکھی جاتی ہے ، یہ ہے کہ ہندی لغت کی تدوین شروع ہوگئی ہے ۔ انہی عبدالواسع نے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے ، ایسے

هندی الفاظ کی ایک فرہنگ لکھی ہے جن کے معنی آسانی سے فارسی لغات میں نہیں ملتے ۔ اس فرہنگ کا نام ''غرائب اللغات'' ہے ۔ اصل فرہنگ میری نظر سے نہیں گزری لیکن بارھویں صدی ہجری کے وسط میں سراج الدین علی خان آرزو نے اسی ''غرائب اللغات'' کی ایک جدید اشاعت ضروری تصحیح و ترمیم و اضافے کے بعد مرتب کی ہے ؛ یہ اشاعت ہمارے سامنے ہے ۔ اس تالیف سے زبان کے سلسلے میں ہمیں کئی مفید باتیں معلوم ہوتی ہیں ۔ مثلاً یہ کہ خان آرزو عبدالواسع کی زبان کو معیاری زبان نہیں مانتے ۔ وہ جگہ جگہ اس کے الفاظ پر اعتراض کرتے ہیں اور ان الفاظ کی بجائے دوسرے الفاظ جو زیادہ تر گوالیاری بھی برج سے تعلق رکھتے ہیں ، پیش کرتے ہیں ۔ اس سلسلے میں انھوں نے بعض وقت مصنف پر چوٹیں بھی کی ہیں ۔ سب سے زیادہ جس بات سے تعجب ہوتا ہے ، یہ ہے کہ خان دہلی کی زبان اور اردو کو بڑی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے ۔ ان کے نزدیک ہندوستانی زبانوں میں سب سے زیادہ شائستہ اور مہذب زبان گوالیاری ہے ۔ چنانچہ اسی گوالیاری کے الفاظ اکثر موقعوں پر حل کیے ہیں اور اردو سے بہت کم سند لی ہے ۔

خان نے دیباچے میں لکھا ہے :

''میگوید فقیر حقیر سراج الدین علی آرزو تخلص کہ یکے از فضلای کامگار و نامدار ہندوستان جنت نشان کتابے در فن لغت تالیف نمودے مسمیٰ بہ غرائب اللغات و لغات ہندی کہ فارسی یا عربی یا ترکی آں زبان زد اہل این دیار کم تر بودہ در آں با معنی آں مرقوم فرمودہ چوں اکثر در بیان معانی الفاظ تساہلے و سہوے بہ نظر آمد لہذا نسخہ درین باب بہ قلم آوردہ جائیکہ سہو و خطای معلوم کرد اشارہ بداں نمودہ و نیز آنچہ بطبع ناقص این کمال دوست در آمد بر آن افزود ۔''

کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خان نے زیادہ تر صرف دو قسم کے اعتراض کیے ہیں ؛ یعنی ہندی الفاظ کے فارسی وغیرہ زبانوں کے مرادفات کے سلسلے میں یا خود ان ہندی الفاظ کے غیر ٹکسالی

ہونے کے متعلق ۔ ہمیں یہاں صرف شق دوم سے تعلق ہے ۔ اردو کو معیار مان کر کہا جاسکتا ہے کہ خان کے اکثر اعتراض صحیح ہیں لیکن ایسے موقعے بھی ہیں جن میں خان کے اعتراضوں کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا ۔ ذیل میں ان نظری الفاظ میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

غرائب اللغات میں ایک لفظ 'ایوارہ' آتا ہے جس کے لیے مصنف نے کہا ہے : ''جائیکہ در صحرا و کوہستان برای چارپایان سازند تا شب درانجا باشند'' ۔ ریگستانی علاقے میں برسات کے موسم میں جب گھروں میں کیچڑ ہو جاتا ہے ، لوگ اپنے مویشیوں بالخصوص بھیڑ بکریوں کے لیے آبادی سے فاصلے پر صاف سی جگہ دیکھ کر باڑہ بنا دیتے ہیں اور رات کے وقت جانوروں کو اس باڑے میں بند کرتے ہیں ۔ یہ باڑہ 'ایوارہ' کہلاتا ہے ۔ مارواڑی میں 'ایواڑہ'[1] کہتے ہیں ۔ خان آرزو اس دیہاتی لفظ پر اعتراض کرتے ہیں اور طنزاً کہتے ہیں : ''ایوارہ زبان وطن صاحب رسالہ بود'' اور پھر فرماتے ہیں ''بہ زبان ہرج و گوالیار کہ افصح است آن را کھرک گویند''۔ اسی طرح 'اکل' ایک اور لفظ ہے ۔ مصنف نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے : ''اکل چوبے کہ در پس در افگنند ۔''

اس پر خان آرزو بگڑ کر فرماتے ہیں : ''لیکن اکل زبان وطن مصنف خواہد بود ۔''

خان 'اکل' کے واسطے 'بینلہ' تجویز کرتے ہیں اور کہتے ہیں : ''بہ زبان گوالیار کہ افصح زبان ہای ہندی است بینلہ گویند'' ۔ میں یہاں اس قدر اضافہ کروں گا کہ اکل یا آگل اب بھی مستعمل ہے ۔ مغلوں سے پہلے کے اکثر فرہنگ نگار اس لفظ سے واقف ہیں اور 'عجوبہ' کے ترجمے میں یہی لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ فضل الدین محمد بن محمود کڑی

---

[1] ایواڑہ (اسم ظرف مکان) 'ایوڑ' سے مشتق ہے جس کے معنی راجستھانی (مارواڑی) زبان میں 'ریوڑ' یا بھیڑ بکریوں کے گلے کے ہیں ۔ (مرتبہ)

اپنی "شرح مخزن اسرار" میں جو ۱۰۹۵ھ میں تالیف ہوتی ہے ، عجوبہ کے ہندی ترجمے میں بھی لفظ 'اکل' لائے ہیں ۔

ایک اور لفظ 'چیلی' ہے جس کے واسطے مصنف نے کہا تھا کہ وہ ایک دو شاخہ لکڑی ہے جس سے کھلیان میں بالیوں کے سمیٹنے اور الٹ پلٹ کرنے میں مدد لی جاتی ہے ؛ خان اس لفظ کو بھی نامنظور کرتے ہیں اور کہتے ہیں ؛

"اما در ہندی معارف گوالیار کہ افصح السنۂ ہندی است چھانگرا گویند ۔"

یہاں معاملہ برعکس ہے ؛ 'چھانگرا' اردو میں نہیں آتا اور 'چیلی' آتا ہے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ ہریانی میں بعض صورتوں میں 'بے' 'واؤ' سے بدل جایا کرتی ہے ، مثلاً غرائب اللغات میں 'آفتابہ' کو 'آفتاوا' 'ابرہ' کو 'اورہ' اور 'اژدہا' کو 'اژداوہ' تحریر کیا ہے ۔ خان پہلے لفظ کے لیے فرماتے ہیں :

"روزمرۂ جہال ہندوستان است"

دوسرے کے واسطے لکھا ہے : "از کجا بے معنی است" تیسرے لفظ 'اژداوہ' کے لیے کہا ہے : "این غلط عوام ہندوستان است" ۔

پھسلنے کے واسطے عبدالواسع نے 'اکھوڑنا' لکھا ہے ۔ خان کی اصلاح ہے کہ 'اکھٹنا' کہو ۔ اگر کیچڑ میں پھسلیں تو 'کھسلنا' بولو ۔ غلے کے کوٹنے کے واسطے عبدالواسع نے 'کھاس' لکھا ہے ۔ آرزو نے 'کھو' بتلایا ہے ۔ مگر اردو میں دونوں نامعلوم ہیں ۔ عبدالواسع نے آئین بندی کے معنوں میں 'کھڑ کوٹ' کا لفظ لکھا ہے ، آرزو نے 'چھاؤنا' صحیح بتایا ہے ، اردو میں 'چھاؤنا' مطلق نہیں آتا ۔ البتہ ڈیرے تنبو کے واسطے 'کھڑ کوٹ' آجاتا ہے ۔ آگے چل کر 'پجادے' پر اعتراض ہے کیوں کہ مصنف نے اسے وسیع معنوں میں یعنی مٹی کے برتن اینٹیں اور چونے کی بھٹی کے واسطے استعمال کیا ہے ۔ خان کہتے ہیں 'پجادہ' اینٹوں کے واسطے ، 'آوا' برتنوں کے واسطے اور 'بھٹی' چونے کے واسطے بولتے ہیں ۔

اس کے بعد 'تکیہ' پر نکتہ چینی ہوتی ہے ۔ خان کا بیان ہے کہ یہ عربی لفظ ہے ۔ اس کے لیے ہندی صحیح ''گینڈوا'' ہے ، مگر آ 'گینڈوے' سے کون واقف ہے ۔ عبدالواسع کے 'پھلاونے' یعنی 'پھلانے کی جگہ خان نے 'پھسلانا' لکھا ہے ۔

'پھوس' کے متعلق عبدالواسع نے کہا تھا کہ اس سے آگ جلائی جاتی ہے ۔ خان فرماتے ہیں یہ غلط ہے ، 'پھوس' وہ چیز ہے جس کا چھپر بنتا ہے ۔ بڑے کان والے شخص کے لیے میر نے 'چھجڑ کنا' لکھا ، خان نے 'چھج کنا' بتایا ۔

چھرے کے متعلق عبدالواسع نے لکھا تھا ''کارد بزرگ'' ۔ خان آرزو اس پر کہتے ہیں ''در رسالہ منظومۂ امیر خسرو چھرہ بہ معنی استرہ است و مشہور در قصبات ہندوستان نیز ہمین است'' ۔ رسالہ منظومہ سے مراد ''خالق باری'' ہے اور شعر ذیل میں چھرا آیا ہے :

جاروب سوہنی کہ ببست تو کرا
مقراض کترنی کہ بود استرہ چھرا

چھرا فی زمانا انھی معنوں میں مستعمل ہے جو میر عبدالواسع نے بیان کیے ہیں ۔

''غرائب اللغات'' میں 'سلیٹ' گھسے ہوئے پیسے اور روپیہ کے واسطے لایا گیا ہے ۔ خان صاحب کو اس میں بھی اختلاف ہے ۔ کہتے ہیں 'کھوٹنہ' یعنی کھوٹا بولو ۔ مولف نے 'کانڈر' کے لیے لکھا تھا کہ ایک قسم کی گھاس ہے جس کی جھاڑویں بنتی ہیں ۔ خان صاحب معترض ہیں کہ گوالیاری میں 'کانڈر' خس کو کہتے ہیں جس کی ٹٹیاں بنتی ہیں ، بھلا اس کی جھاڑو کون بنانے لگا ۔ در حقیقت خان کا اعتراض صحیح ہے ۔

بطور جملہ معترضہ یہاں مجھے یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ خان صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جو 'اردو' کا لفظ بہ معنی زبان استعمال میں لائے ہیں ۔

ایک موقعے پر غرائب اللغات میں 'رجواڑہ' بہ معنی قحبہ خانہ لایا گیا ہے ۔ خان اس لفظ پر مطمئن نہیں ہیں ۔ لکھتے ہیں :

''رجواڑہ بدین معنی اصطلاح شاہ جہان آباد است بلکہ اہل اردو است کہ این قسم اماکن اکثر در لسکر راجہا می باشند و الا در اصل رجواڑہ جای بودن راجہا است ۔''

اور 'گزک' کے متعلق کہا ہے :

''لیکن گزک بہ اصطلاح اہل اردو نوعے است شیرینی کہ از کنجد و شکر سازند ۔''

علاوہ ازیں 'نکتورہ' کی نسبت جس کے معنی مصنف نے سوراخ بینی لکھے ہیں ، خان آرزو کا قول ہے :

''نکتورہ در عرف اردو وغیرہ بہ معنی حرف ناز و غرور است و بہ معنی سوراخ بینی نکسر ۔''

ھڑپھنا ایک اور لفظ ہے ۔ غرائب اللغات میں بعیں چبائے نگلنے کے مفہوم میں لایا گیا ہے ۔ اس کے متعلق خان کا ارشاد ہے :

لیکن ھڑپھنا بہ زبان اردو اہل شہرہا نیست ، شاید زبان قریات و مواضع باشد و بدیں معنی نگلنا شہرت دارد ۔''

اس مطالعے سے کسی قدر ہمیں مختلف زبانوں کی حیثیت کا پتا چلتا ہے ۔ 'گوالیاری' کو خان آرزو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں ۔ 'اردو' یا 'زبان دہلی' ان کے نزدیک ثانوی حیثیت رکھتی ہے ، اور 'ہریانی' زبان تو قابل خطاب بھی نہیں ہے ۔ حالاں کہ اگر دیکھا جائے تو 'اردو' اور 'ہریانی' میں بہت خفیف سا فرق ہے ۔

غرائب اللغات کے بہتوے چھیانوے فی صدی الفاظ آج بھی اردو میں بہ تغیر لہجہ رائج ہیں ۔ لہجے سے میری مراد یہ ہے کہ تلفظ اور اصوات میں کسی قدر فرق ہے ۔ مثلاً ہریانی میں اردو کی 'رائے ہندی' کی جگہ 'ڈال ہندی' کا زیادہ رواج ہے ۔ عبدالواسع 'ساڑھو' کو 'ساڈھو' 'کڑھی' کو 'کڈھی' ۔ 'جھاڑ' کو 'جھاڈ' ۔ 'مسوڑے' کو 'مسوڈھا'

لکھتے ہیں یا مثلاً 'چلمن' کو 'چاون' 'پانے' کو 'پاونا' ۔ 'چڑانے' کو 'چڑاونا' ۔ 'پھلانے' کو 'پھلاونا' لکھ رہے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ عہد عالمگیر میں دہلی میں بھی یہی تلفظ رواج پذیر تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری اردو زبان اس وقت سیالی کیفیت میں تھی ۔ فصیح اور غیر فصیح ، محاورہ اور بے محاورہ کا کوئی معیار نہ تھا ۔ عوام کی بولی تھی ، خواص کو اس سے سروکار نہ تھا ۔ تب ہی تو خان آرزو تنگ تنگ کر ''غلط عوام ہندوستان و روزمرۂ جہال ہندوستان'' لکھتے ہیں ۔ آمدم بر سر مطلب ۔

ہریانے میں اس تحریک کا دوسرا اقدام یہ ہے کہ اس زبان میں عہد عالمگیر سے باقاعدہ تالیفات کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ۔ مسلمانوں نے ہر عہد میں مذہب کے ساتھ قریبی تعلق رکھا ہے ۔ چناں چہ اس علاقے میں بھی لوگوں نے سب سے پہلے مذہبی مسائل و دینی مطالب کی اشاعت کو ضروری سمجھا ۔ لہٰذا حسب معمول نظم سے ہوئی اور عروضی وزن اہل پنجاب کے تتبع میں پنجابی اختیار کیا گیا ۔

۱ ۔ شیخ عبداللہ انصاری

اس سلسلے میں سب سے پہلے شیخ عبداللہ انصاری قابل ذکر ہیں ۔ ان کے متعلق ہم اسی قدر جانتے ہیں کہ ابتدائی عہد اورنگ زیب عالمگیر کے ایک بزرگ ہیں ، عبدی تخلص کرتے ہیں اور عبادتی مسائل پر ایک مختصر رسالہ بنام ''فقہ ہندی'' ۱۰۳ھ میں تصنیف کرتے ہیں ، ''فقہ ہندی'' کا ذکر سب سے پہلے اسپرنگر اپنی فہرست کتب خانہ اودھ میں صفحہ ۱۰۶ پر کرتا ہے ۔ اس کے بعد فرانسیسی مستشرق گارساں دتاسی اپنی تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی میں اس کا تذکرہ کرتا ہے ۔ اسپرنگر اس کتاب کو شیخ جیون عرف محبوب عالم کی طرف منسوب کرتا ہے ، لیکن محبوب عالم سے اس تصنیف کو کوئی علاقہ نہیں ۔ گزشتہ سال فقہ ہندی کا ایک نسخہ مجھ کو ملا ہے ، جس کے حاشیے پر مصنف کا نام شیخ عبداللہ انصاری صاف مرقوم ہے ۔ حاشیے کی عبارت حسب ذیل ہے :

"کاتب الحروف سید مصاحب علی ساکن گھڑتل برای نظر فیض اثر کپتان صاحب کپتان شیخ اسد اللہ جیو دام ظلہ بروز دو شنبہ تحریر شد سویم جمادی الاول ۱۲۴۳ھ مقام ستھل پور بھومیرا تحریر یافت ۔ کتب تمام شد کار من نظام شد ۔ کتاب فقہ هندی مصنف شیخ عبداللہ انصاری [رحمت] تحریر یافت ۔"

اس شہادت کے علاوہ مصنف کے تخلص سے بھی جو عبدی ہے ، تائید ہوتی ہے کہ ناظم کتاب کا نام عبداللہ ہوگا ۔ اسپرنگر ایک غلط فہمی کے زیر اثر اس کتاب کو محبوب عالم کی تصنیف مانتا ہے ۔ اس کے پیش نظر ایک ہی جلد میں 'مسائل هندی' من محبوب عالم اور 'فقہ هندی' ہیں ۔ دونوں کو وہ ایک کتاب تصور کرتا ہے ۔ چنانچہ پہلے وہ اس کو 'محشرنامہ' لکھتا ہے ، مگر فقہ هندی کے خاتمے کے شعر دیکھ کر کہتا ہے کہ اس کتاب کا نام 'محشرنامہ' ٹھیک نہیں بلکہ 'فقہ هندی' ہونا چاہیے - 'فقہ هندی' کے خاتمے کے شعر یہ ہیں :

فقہ هندی کو مومناں آنو زباں پر یاد
مسلہ آوے دین کا مول نہووے فساد

سن ہزار چوهتر بیچ رمضان تمام
اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا نظام

'فقہ هندی' میں پنجابی اثر کافی موجود ہے ۔ عروضی وزن کے علاوہ اس میں پنجابی الفاظ مثلاً نال ، آکھنا ، ڈیٹھا ، کیتا ، چنگا ، پنج ، آنتا ، پوچھنا وغیرہ موجود ہیں ۔ جملوں کی ترکیب و ساخت پنجابی کے بہت قریب ہے ۔ مثلاً 'فقہ هندی' کا مصرع :

کہتے مسلے دین کے عبدی کہے آمین

اور 'رسالۂ مہتدی'[1] کا مصرع :

واجبات نماز دے عبدی کہے آمین

---

[1] ۔ عبادتی مسائل پر ایک رسالہ ہے جو ۱۰۹۹ھ میں مولانا عبدی بن محمد ساکن بانو نے بہ زبان پنجابی لکھا ہے ۔

نیز 'فقہ ھندی' کا مصرع :

مسلے آویں دین کے مول نہ ہوے فساد

اور 'رسالہ مہندی' کا مصرع :

آکہاں وقت سوال دے مول نہ ہوے فساد

آپس میں مناسب قرینہ رکھتے ہیں ۔ مزید براں عبدی پنجابی زبان میں ایک بے زائد شاعروں کا تخلص ہے ۔ بلکہ ایک عبدی شاہجہان کے آخر عہد تک زندہ ہے ۔ یہ تماثلِ قرینہ دیکھ کر ''پنجاب میں اردو'' لکھتے وقت میں نے عبدی مصنف ''فقہ ھندی'' کو پنجاب کے اردو تذکروں میں شامل کرلیا تھا ۔ لیکن اب جب کہ ان دو مالوف میں ھریانہ دبستان کی کئی کتابیں نظر سے گزر چکی ہیں ، مجھ کو اپنے نظریے کے متعلق شکوک پیدا ہوگئے ہیں ۔ میں ''فقہ ھندی'' کو ھریانہ دبستان میں شامل کرنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں ، یا ستلج پار کے اس علاقے کی طرف منسوب کروں گا جو ایک طرف ھریانہ سے اور دوسری طرف دہلی سے قریب ہو ۔ اور پنجاب کے اثر کا بھی حامل ہو ۔

''فقہ ھندی'' کی زبان اس معاملے میں ہماری زیادہ دست گیری نہیں کرتی کیوں کہ وہ ایک ایسے ماہر فقیہ کے قلم سے نکلی ہے جو اپنے مضمون کے سوا ایک لفظ بھی غیر ضروری حوالۂ قلم نہیں کرنا چاہتا ۔ مصنف کو اپنے مضمون پر بدرجۂ غایت دسترس ہے ۔ وہ فقہی اصطلاحات نہایت آسانی سے برتتا ہے اور ھندی الفاظ و دیگر حشویات سے جو ایک زبان کی خصوصیات کے مطالعے کا موقع دیتے ہیں ، احتراز کرتا ہے ۔ تاہم ذیل میں بعض الفاظ دیے جاتے ہیں جو مصنف کی زبان پر روشنی ڈالتے ہیں ۔ ھریانی برج بھاشا کے تتبع میں 'دال ھندی' کا استعمال زیادہ کرتی ہے ۔ ''فقہ ھندی'' میں یہ خصوصیت موجود ہے ۔ مثلاً ساڑھے کو 'ساڈھے' ۔ اوڑھنی کو 'اوڈھنی' ، چھوڑ کو 'چھوڈ' ۔ پڑھے کو 'پڈھے' ۔ ڈاڑھی کو 'ڈاڈھی' اور گھٹنے کو 'گوڈا' لکھا ہے ۔ ھریانی کی طرح حرف کی حرکت کے مطابق ثانی حرفِ علت اضافہ

کر دیا گیا ہے یعنی برائی کو 'بورائی' ۔ رکھیے کو 'راکھیے' ۔ سچ کو 'ساچ' ۔ سکھائے کو 'سکھاؤنا' ۔ ندی کو 'ناتیں' ۔ ھڈی کو 'ھاڈ' ۔ لہو کو 'لوھو' کی شکل میں تحریر کیا گیا ہے ۔

مصادر میں وہ بالکل ھریانی سے متثنیٰ ہے یعنی 'سکھاونا' ۔ 'آونا' ۔ 'بھاونا' ۔ 'ہوتا' ۔ 'سوونا' وغیرہ ۔ ڈالنے کو 'ڈاونا' لکھا ہے جو ھریانی مطابق ہے ۔ ھریانی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صیغۂ جمع راجستھانی کی طرح آتا ہے ، مثلاً جاتوں کی جگہ 'جاوان' یا 'جان' کہتے ھیں ۔ فقہ ھندی میں یہ خصوصیت بھی موجود ہے ، مثال :

بعضے آویں بہشت میں بعضے دوزخ جاہیہ

بعض الفاظ جو بار بار آئے ھیں یہ ھیں :

میں ۔ ماہیہ ۔ میں ۔ سوں ۔ باہیہ (باہر) تن میں (تس میں) ۔ کو (کوئی) ۔ بال ۔ مول ۔ تی کوں (جس کو) ۔ مان (سب) ۔ آگوں (آگے) دوجے (دوسرے) ۔ کھچ (کھینچ) ۔ بھوں (بچھے) موند (سر) ۔ باؤ (باد شکم) ۔ سچ (طریقہ) چھڑا ۔ ماس ۔ دھارنا (پانی سے دھارنا) ۔ نہاتو ۔ چھرا ۔ آرسی ۔ کوڑا ۔ لون ۔ نہادا (کوڑا) ۔ ٹھاڈا ھونا (کھڑا ھونا) ۔ یہ لفظ ھریانی میں عام ہے ۔ بڑ (درخت) ۔ جورو ۔ کاج (واسطے) ۔ دیہ (چشم) کاڈ (نکال) وغیرہ ۔

جمع کا وھی طریقہ ہے جو پرانی اردو ، دکنی ، پنجابی اور ھریانی میں رائج ہے ، یعنی عورت کی جمع عورتاں ، گائے کی جمع گوان آتی ہے ۔
ریختہ کی مختلف اقسام میں جو میر تقی میر نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں بیان کی ھیں ، ایک قسم یہ ہے کہ ھندی جملے میں فارسی افعال و حروف کا استعمال کیا جائے ۔ اس کی مثالیں ''فقہ ھندی'' میں مختلف مقامات پر ملتی ھیں ۔ مثلاً :

''عذاب گور برحق ہے یہ مسئلہ پندار''

یا

''دست بوسی بر مومناں ھاتھ یتیم بر مال''

دیگر ''لب بیچ کے بال لے سارے ناخن بھی''

دیگر ''تین فرض ہیں غسل کے بیچ کتاب بیوی''

دیگر ''ایک تیمم تال سنوں فرض نفل گذار''

دیگر ''شمشیر چھرا اور آرسی کھڑا نہ کر مال''

دیگر ''چلتی ناو میں بیٹھ کے نماز درست شمار''

دیگر ''آگوں عیدالفطر کے صدقہ واجب گیر''

بعض فارسی عربی الفاظ میں تصرفات کیے گئے ہیں۔ دریا کو 'دریاو'۔ جدا کو 'جدی' اور 'جائز' کو 'جاز' لکھا ہے۔ میں صرف پچھلے لفظ کی مثال پر قناعت کرتا ہوں:

''بیار تھاڈا نہ ہوسکے بیٹھا کرے نماز
رکوع سجود نہ کرسکے اشارات سوں ہے جاز''

دیگر

''جو کرے آگے وقت کے وہ نماز جاز

یہاں چند ابیات بہ طور نمونہ کلام زکوۃ کی فصل سے نقل ہوتے ہیں:

''اصل عبادت مال کی زکوۃ دینا جان
چھ شرط موجود پر زکوۃ فرض پچھان

عاقل، بالغ، مسلمان، اصیل، صاحب مال
اور فاضل ہروہی سوں گذرے تمام سال

جو شرط موجود ہولدے مال زکوۃ
دوزخ کے عذاب سوں پاوے نہیں نجات

بیچ زکوۃ کو فرض ہیں ہریک لے پچھان
کتھر واجب جدا کرے نیت دل میں آن

ساڑھے باون تولچہ روپا ہو موجود
پندرہ ماشہ چھ رتی زکوۃ جدا کرزود

ساڑھے سات تولچہ سونے پچیں سو
دو ماشہ اور دو رتی زکوۃ لازم ہو

روپا سونا خام ہو یا درھم دینار
یا زیور آوند ہو ایک حساب شمار''۔

معلوم ہوتا ہے کہ فقہ ھندی گذشتہ دو صدیوں میں بے حد مقبول رہی ہے ۔ اس کے قلمی نسخے اب بھی دستیاب ہوتے ہیں اور کئی مطبعوں میں چھپ بھی چکی ہے ۔ ۱۲۹۱ھ میں مطبع سیدالمطابع نے ''رسالہ عبدو'' کے نام سے طبع کی ہے اور بمبئی میں ''فقہ ھندی'' کے نام سے چھپی ہے ، لیکن مصنف کا نام مذکور نہیں ہے ۔

۲ ۔ شیخ محبوب عالم ساکن جھجھر

مرہانہ دستان کے دوسرے مصنف شیخ محبوب عالم جوجھر کے رہنے والے ہیں ۔ اسپرنگر نے اپنی فہرست کتب خانۂ اودھ میں ان کا ذکر کیا ہے ۔ گارساں دتاسی کی تاریخ ادبیات ھندی و ھندوستانی کا بیان زیادہ تر اسپرنگر سے ماخوذ ہے ۔

اسپرنگر نے محبوب عالم کا اصلی نام محمد جیون لکھا ہے اور عرف محبوب عالم ۔ میں نے ''پنجاب میں اردو'' لکھتے وقت یہ سوچ کر کہ جیون عرف ہوسکتا ہے نہ محبوب عالم ، ان کا نام محبوب عالم اور عرف جیون لکھ دیا تھا لیکن اب جب کہ اس سلسلے میں صحیح معلومات بہم پہنچی ہے ، مجھے کہنا پڑتا ہے کہ محبوب عالم اور محمد جیون دو مختلف اشخاص ہیں ۔

اسپرنگر نے محبوب عالم کی تصنیفات کی یہ فہرست دی ہے :

(۱) ''عشر نامہ'' : جس کو وہ بعد میں 'فقہ ھندی' کہتا ہے ۔ اس کے صفحے ۱۵۰ اور فی صفحہ ۱۵ سطور ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ نہ کتاب ''عشرنامہ'' ہے اور نہ ''فقہ ھندی'' بلکہ ''مسائل ھندی''

ہے جو محبوب عالم ہی کی ایک اور تصنیف ہے ۔ اس کا افتتاحی شعر فہرست اسپرنگر میں یوں درج ہے ۔

اللہ مولیٰ پاک ہے دو جگ سرجن ہار
جن دھا یار صدق سوں سوئی اترے پار

حلیف میں یہ شعر مسائل ھندی کا افتتاحیہ ہے ۔

(۲) ''محشر نامہ'' ; جس کے بیس صفحات اور پندرہ سطریں فی صفحہ ہیں ۔ آغاز کا بیت یوں ہے :

ربا میرا ایک توں ناھیں کوئی دوجا
مجھسا سائیں جھاڈ کر کس لاؤں پوجا

(۳) ''درد نامہ'' ; جس کے صفحات ۔ ۔ ۱ اور فی صفحہ ۹۱ سطور ہیں ۔ ابتدائی شعر حسب ذیل ہے ۔

جیوں میں پہلی نام رحمان کا
تیوں گیان میں دھیان سبحان کا

(۴) ''خواب نامۂ پیغمبر'' ; جس کا پہلا شعر یہ ہے ;

شکر حق کہتا ھوں پہلی بات ماں
شرم میری راکھیو ھر بات ماں

لیکن یہ رسالہ محبوب عالم کی تصنیف نہیں ہے بلکہ عبدالحکیم ہی اس کے مالک ہیں ۔

(۵) ''دھیر نامہ بی بی فاطمہ خاتون'' ; یہ دراصل ''دھیز نامہ'' ہے اور شاہ عبدالحکیم کے قلم سے نکلا ہے ۔

بدقسمتی سے ہم شیخ محبوب عالم کی شخصیت اور زمانے سے کوئی علم نہیں رکھتے ، نہ انہوں نے اپنے حالات زندگی کسی تالیف میں مذکور کیے ہیں ۔ ان کے مختلف نسخوں سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ کم از کم اپنے وطن میں نہایت احترام اور عزت کے ساتھ یاد کیے جاتے ہیں ۔ ان کی کتابوں کے مختلف کاتب جو گذشتہ صدی سے تعلق

رکھتے ہیں ، ان کے نام کے ساتھ شیخ المشائخ ، شیخ الشیوخ اور قطب الزمان جیسے قابل حرمت خطاب ضم کرتے رہے ہیں ۔ ایک شعر میں وہ اپنے آپ کو ''اتیت'' یعنے درویش کہتے ہیں ۔ ایک اور موقعے پر اپنے لیے ''عاجز درویش'' کے الفاظ استعمال کر رہے ہیں ۔ علوم میں کم از کم قرآن ، حدیث اور فقہ ان کا تحصیلی سرمایہ ہے ۔ چنانچہ ایک مقام پر کہتے ہیں :

محبوب عالم نے پڑھے علم دین کے تین
قرآن ، حدیث اور فقہ پر لیایا ساچ یقین

ان کی تصنیفات شہادت دیتی ہیں کہ ان کی زندگی مذہب کے مقدس ماحول اور دینی خدمت گزاری کی فضا میں صرف ہوئی ہے ۔ گارسن دتاسی ان کو عالمگیر کے عہد میں شمار کرتا ہے ۔ لیکن یہ خیال اس غلط عقیدے پر مبنی ہے کہ ''فقہ ہندی'' ان کی تصنیف ہے ۔ بہرحال ہمیں ان کا زمانہ ''فقہ ہندی'' کے مصنف کے زمانے سے موخر ماننا پڑے گا ۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر منتصف اول قرن دوازدھم ھجری میں ان کو رکھا جائے تو مناسب ہے ۔ یہ کسی قدر وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ جب محبوب عالم اپنی تصنیفات کے لیے کمربستہ ہوتے ہیں ، اس وقت اردو شاعری کا دبستان دھلی میں موجود نہیں تھا ، کیوں کہ ان کی پہلی دو تالیفیں یعنی ''حشر نامہ'' اور ''مسائل ہندی'' پنجابی دبستان کی تقلید میں لکھی گئی ہیں ۔

ان کی تیسری تصنیف ''درد نامہ'' کی تحریر کے وقت دھلی میں شعر گوئی کا چرچا بہ تقلید فارسی شروع ہو چکا تھا اس لیے اس کو فارسی وزن میں لکھا ہے ۔

''حشر نامہ'' ان کی پہلی تالیف ہے ۔ اس سے بارہ چودہ سال بعد ''مسائل ہندی'' محمد جیون کی فرمائش پر لکھی جاتی ہے اور ''درد نامہ'' آخری تصنیف ہے ۔ میں اسی ترتیب سے ان کتابوں پر تبصرہ کرتا ہوں :

(۱) - محشر نامہ

میرے پاس جو نسخہ ہے ، بڑی تقطیع پر موٹے قلم میں ۱۲۲۷ھ کا نوشتہ ہے ۔ اس کے ۲۰۶ صفحے اور ہر صفحے پر ۱۵ سطریں ہیں ۔ ابتدائی بیت اس سے پیشتر سنا چکا ہوں ۔ یہاں خاتمے کا شعر پڑھ دیتا ہوں :

آگے دکھ سکھ بہت ہے اب خواب خیالا
سیانا ہے تو بوجھ کر لے حال سنبھالا

خاتمے پر کاتب نے یہ عبارت مرقوم کی ہے :

''تمت تمام شد ھذالکتاب محشر نامہ شیخ الشیوخ قطب الزمان سرمایۂ عارفان حضرت شاہ محبوب عالم ساکن قصبۂ جھجھر بخط ناقص شیخ عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش دھلوی غفراللہ ذنوبہما بہ تاریخ ہشتم ذیقعدہ ۱۲۲۷ھ صورت انجام یافت نقل از کتاب کہنۂ کہ در عہد شاہ عالم بادشاہ غازی ۴۳ جلوس والا تحریر شدہ بود ازاں نقل کردہ شد ۔ در شہر رہتک بر مکان ہلاس رائے دفتری تحریر یافت'' ۔

آپ نام سے سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ کتاب آثار قیامت ، حشراجساد ، اعمال نیک وبد ، پل صراط ، عذاب دوزخ و نعیم جنت وغیرہ مضامین کا تفصیلاً بیان دیتی ہے ۔ تمام سرخیاں فارسی میں ہیں ۔

اس کتاب پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان ایک روش خاص پر گامزن ہے اور وہ سیال کیفیت جو آج ہریانی زبان میں مشاہدہ کی جاتی ہے اور جس کے متعلق اس سے پیشتر اشارہ کیا جا چکا ہے ، بالکل غائب ہے ۔ اردو کے وہ نہایت قریب ہے اور پنجابی کا پرتو بھی اس میں نمایاں ہے ۔ مثلاً نالے ۔ تاں ۔ نیڑے ۔ دھی ۔ دھیا ۔ ہت (ہاتھ) ۔ جیتھے (جہاں) ۔ تہاڈے (تمہارے) وغیرہ پنجابی الفاظ ''محشر نامہ'' کے صفحات میں بکھرے ہوئے ہیں ۔ ماضی قریب و فعل حال میں 'ہے' ۔ 'ہوں' ۔ 'ہیں' ۔ 'ہاں' ۔ وغیرہ کی جگہ ، 'ہے' ۔ 'سوں' ۔ 'سیں' ۔ 'ساں' وغیرہ علامات جو ہمارے عہد کی ہریانی میں ملتی ہیں ، مطلق نہیں آتیں ۔ ماضی بعید و مستقبل میں 'تھا' اور 'گا' کی بجائے 'تھو'

اور 'کو' جو برج کی خصوصیت ہے ، نامعلوم ہے ۔ مآثر میں 'سہارو' ۔ 'تہارو' اور 'اونہہ کو' وغیرہ نہیں ملتے ۔ 'نے' علامت مفعولی قطعاً نہیں ملی ۔ 'نے' علامت فاعلی البتہ موجود ہے ۔ جمع مضارع و مستقبل میں 'لائیں' اور 'لائیں گے' کی جگہ ہریانی کا مخصوص انداز 'لاواں' اور 'لاوانگے' حاضر ہیں ، اگرچہ پہلی دونوں صورتیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں ۔

مضارع کی مثال :

روز قیامت ہووے جب سب‌ہہ اٹھیں ٹولاں
پھٹاں طراں طراں ہو جوں گاگر پھولاں

مثال مستقبل

حضرت وقت تخت پر بیٹھاں گے آچھے ('بیٹھاں گے' یعنی بیٹھیں گے)

دوسری مثال :

چھوٹے گا اس آگ میں جو نیکی پاگا ۔ ('پاگا' یعنی پائے گا) ۔

ان کے علاوہ مستقبل میں دو اور صورتیں ہیں ۔

پہلی کر ہوں یعنی کروں گا ۔ مثال :

جو توں راضی ہوے گا مجھ کر ہوں راضی

ساری کتاب میں صرف یہی ایک مثال ہے ۔ دوسری مثال میں وہ مستقبل ہے جو 'سی' سے بنتا ہے ۔ مثال :

باتوں کچھ نا پاوسی کر حال کہانی ('پاوسی' یعنی پائے گا) ۔

دوسری مثال :

فضل خدا ہو چھوٹ سی ، تاں اپنے بوتا

کیجے دیجے وغیرہ اردو میں صیغۂ مخاطب میں آتے ہیں ۔ "حشر نامہ" میں صیغۂ غائب کے لیے بھی آئے ہیں ۔ مثال :

جی کی بدیاں بہت ہوں وے کیجیں خوارا
دوزخ ہاتھ جلائیاں سرا دیجیں بسہارا

دوسری خصوصیات کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ غنہ کا زیادہ رواج ہے مثلاً :

پھایں (پھلے) ۔ ناھیں (ماھیں) ۔ بچاری (بھاری) ۔ مانس (ماس) میں ۔ کون ۔ تون ۔ وغیرہ ۔

ضمائر :

وہ ، یہ ، اسے ، وسے ، اس ، یو ، ان ، تس ، تیں ، تون ، توہ ، تجھ ، تم ، تیرا ، تیرے ، تیری ، میں ، موہ ، مجھ ، میرا ، میری ، ہم ، ہمارا ، وغیرہ ۔

دیگر حروف :

ناہیں ۔ جیدھر ۔ تیدھر ۔ کوئی ۔ کوؤ ۔ کو ۔ بہت ۔ بھتا ۔ بھی ۔ جہ ۔ یہ ۔ کدھیں ۔ جنھیں ۔

جمع :

نکران ۔ غریباں ۔ ۔ جھوٹاں ۔ اونٹاں ۔ بانگاں ۔ کاندھیں (کاندھے) کانوں ۔ کانوں ۔ وغیرہ ۔

اسم صفت بھی موصوف کے مطابق آتا ہے جیسے نیلیاں انکھیاں ۔

'لام' اور 'رے' کا تبادلہ : جراؤں (جلاؤں) ۔ براؤں (بلاؤں) ۔ ڈار کر (ڈال کر) ۔ بادر (بادل) ۔ گرا (گلا) ۔ دھور (دھول) ۔ اجارے (اجالے) ۔

'ڈال' اور 'ڑے' کی تبدیلی : چھڈاوے (چھڑاوے) ۔ پڈھو (پڑھو) ۔ بڈا (بڑا) ۔ چھاڈ (چھوڑ) ۔ اوڈاں (اوڑیں) وغیرہ ۔

ثانی حرف علت : لاگا (لگا) ۔ ماٹی (مٹی) ۔ راکھوں (رکھوں) ۔ ساچ (سچ) ۔ چاہیں (چاہیں) ۔ ناٹے (ٹیے) انکاریہ : ھالے (ھلے) ۔ ھالی (ھلی) ۔

فعلیہ شکل : آنکر ۔ کھلانکر ۔ اولھانکر ۔ اوچھانکر ۔ مرونکر ۔ لانکر (لگا کر) ۔

فعل کی ایک اور شکل ہے جس میں تمہ اڑا دیا گیا ہے۔ مثلاً واحد متکلم میں مانگو بجای مانگوں اور جمع غائب میں کانی کے بجائے کانیں گے۔ یہ شکل ندرت کے ساتھ ملتی ہے۔ اردو میں بھی بالخصوص دہلی میں تیرھویں صدی کے پہلے ربع تک موجود ہے۔ ھریانی میں الف زائد بالخصوص قوافی میں بہ کثرت آتا ہے، مثلاً راتا۔ باتا۔ ناسا۔ آسا۔ بیانا۔ گنوارا۔ آگا۔ باسا۔ ترasا۔ لوکا۔ خوارا۔ حالا۔ مالا۔ ساتھا۔ وغیرہ۔ یہ الف صرف مصرعوں کے آخر میں ملتا ہے۔ ''عشر نامہ'' کے نمونے میں حمد سے کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

میرے من ماں توں رہا جانے توں من کی
ادا مجھ کوں کھینچ لے سدہ ناں ھو تن کی
ساری قدرت توں رکھا چاھا سو کینی
ایکوں کایا جوبن لی ایکوں مایا دینی
ایکوں خوار خراب کرنس در در پھیرے
ایکوں دیا سوار کر لسے اپنے بڑے
ایکوں کوں نس دکھ دیا بھور کچھ ہے ناسا
ایکوں کوں سکھ دیا اور بھوگ بلاسا
ایکوں بہا مال دیا ایک سونے مالاں
ایکوں کو جنجال دیا ایک ہیرے لالاں
ایک رکھے نس روویں روویں بہ نہال
ایک رکھے نس سووے سوویں دن راتاں
ایک راجا کے بوت ھاں ایک بوت فقیراں
ایک ھوگی آ دھوت ھیں ایک پھرے راہگیراں
ایک کھڑے ھو باد ماں ھنس سیہہ جھاڑی
ایک پڑے فریاد ماں دیکھیں یہ خواری
ایک جو بیٹھے تخت پر آپ حکم چلاویں
ایک جو اٹھے مف کر من خاک ڈھولاویں
تجھ خالق کا بھت ڈر راکھوں من ماہیں
دھاؤں مت چت لا نکر نس ساجہ صباہیں

(۲) مسائل ھندی

یہ کتاب ''محشر نامہ'' سے بارہ چودہ سال بعد لکھی گئی ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے ، نماز روزہ اور دیگر ارکان اسلامی کے مسائل اس میں مذکور ہیں ۔ صفحات کی تعداد ایک سو چھبیس اور فی صفحہ ۱۱-۱۵ ۔ سطریں ہیں ۔ اسپرنگر نے اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ اودھ میں دیکھا تھا ، لیکن وہ اس کو ''محشر نامہ'' اور بعد میں ''فقہ ہندی'' سمجھا ، نیز محمد جیون عرف محبوب عالم کو اس کا مصنف بیان کرتا ہے ، لیکن اس میں بھی اس کو مغالطہ ہوا ہے ۔ محبوب عالم مصنف ہیں اور محمد جیون ان کے دوست ہیں جو کتاب کی تصنیف کے محرک ہیں ۔ محبوب عالم سبب تالیف میں لکھتے ہیں کہ جب میں نے قیامت کے ذکر میں ''محشر نامہ'' تالیف کی ، اس میں وعدہ کیا تھا کہ دینی مسائل پر ایک علیحدہ کتاب بہ زبان ہندی لکھوں گا ۔ اس پر بارہ چودہ سال کا زمانہ گزر گیا ۔ بالآخر میرے دوست محمد جیون نے تقاضا شروع کیا کہ وعدہ کیے بہت زمانہ گزر گیا ہے ، اب اس کا ایفا کیجیے ۔ آپ اگر یہ کتاب لکھ دیں گے تو سب مسلمان اس سے فیض پائیں گے اور دین کی باتیں سیکھ جائیں گے ۔ جب ان کا اصرار حد سے گزرا میں نے تعمیل ارشاد کی اور کتاب کا نام ''مسائل ھندی'' رکھا ۔

ذیل میں دیباچے کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

قیامت کے احوال ماں ھندی کہی کتاب
''محشر نامہ'' ناؤں ہے جانو اے اصحاب

''محشر نامہ'' بیچ سن وعدہ ایہی دیا
ان عاجز درویش نے بوجھو کھول ہیا

اس نبی کی بات سوں ھندی بولی بول
شرع ترازو دین کی چڑی جو دوں کا تول

بارہ چودہ برس لگ وعدہ لاگی ڈھیل
محمد جیون یار نے کہا آے مجھ قسمل

وعدہ کوں آخر کرو اس نبی کی بات
لکھ دیو هندی بول کر ہاتھوں میں دن رات
طلب جب اس بار کی دیکھی ساتھی سوجھ
لکھی کتاب اس واسطے هندی بول بوجھ
اور مسلمان اب پڑھاں سیکھاں یاداں دھن
هندی کی بولی کے اندر بوجھاں راہ یقین
سبھ مسائل مسئلہ میں سی ایک اب ہے
دیکھاں غلطی جے کہیں وے اصلاح لکھے

''مسائل هندی'' نانو اب اس کا کہہ اے یار
پڑھو فاتحہ مجھ اوپر جے بخشے کرتار

''مسائل هندی'' محبوب عالم نے ایسا معلوم ہوتا ہے شیخ عبداللہ انصاری کی ''فقہ هندی'' کی تقلید میں لکھی ہے ۔ دونوں کتابوں کے نام اور وزن سے یہی ظاہر ہوتا ہے ۔

میرے پیش نظر اس کتاب کے دو نسخے ہیں : پہلا پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے سے تعلق رکھتا ہے اور ۱۲۰۰ھ میں کریم بخش نے اس کی کتابت کی ہے ۔ دوسرا نسخہ میرا اپنا ہے جس کو شیخ کمال الدین ولد شیخ امام بخش ساکن قصبۂ رهتک نے ۱۲۲۱ھ میں اپنے استاد خلیفہ یوسف خان ساکن کلیانہ کے واسطے نقل کیا ہے ۔

''محشر نامہ'' کے مقابلے میں اس کتاب کی زبان زیادہ آسان ہے اور قواعد زبان کے مطالعے کے لیے بھی اس میں کافی مواد ہے ۔ 'نے' علامت مفعولیت کہیں نظر نہیں آتی ۔ عربی فارسی الفاظ میں تصرفات کیے گئے ہیں ۔ چنانچہ :

'سرخ' کو 'سرکھ' ۔ 'جنات' کو 'جناں' ۔ 'زنا' کو 'زناہ' ۔ 'پلید' کو 'پلیت' ۔ 'علاج' کو 'علاژ' لکھا ہے اور حاژ کا ہم قافیہ مانا ہے 'شہادت' کو 'شہادتی' ۔ 'جانور' کو 'جناور' ۔ 'جامہ' کو 'جاماں' 'رکعت' کو 'رکات' اور ایک بار ، دو بار کو 'ایک بر' اور 'دوبر' کی شکل دے دی ہے ۔

ادھر 'لفظ' کو 'لفاں' - 'دنیا' کو 'دنیاں' - 'جماعت' کو 'جمات' - 'مسئلہ' کو 'مسلہ' - 'نفع' کو 'نفا' - 'اسباب' کو 'ترابب' تلفظ کیا ہے اور ذات کا ہم قافیہ ٹھہرایا ہے - 'مسجد' 'مسیت' کی شکل میں لکھی گئی ہے -

غنہ کی مثالیں : ایسیں - جیسیں - کیسیں - پہلیں - پنھاس - کنیں (کہے) -

حروف ظرف : ماں - ماتہہ - ماھیں - مانھیں - مول - بیچ - بچ - بیچ ماں - ماجھ - اندر -

تبادلۂ 'لام' و 'را' : کارا (کالا) - اوجرا (اجلا) - باوری (باولی) - جارکر (جلا کر) - پھری (پھلی) - پنڈری (پنڈلی) -

تبادلۂ 'ڈال' و 'ڑا' : بھیڈیا (بھیڑیا) - جاڈا (جاڑا) ایڈی (ایڑی) -

ثانی حرف علت : ماچھر (مچھر) - چام (چمڑا) - ماکڑی (مکڑی) - کپڑ (کپڑا) - ناتھ (نتھ، پہنتے گی) - بانی (بنی) - نانگا (ننگا) - لاکڑی (لکڑی) -

محبوب عالم دیس کی زبان میں تعلیم کے حامی ھیں اس لیے ایک مقام پر فرماتے ھیں :

جیسی تجھ زبان ہے ویسی بول بول
معنی فقہ حدیث کے جیبھ آپنی کھول

"مسائل ھندی" کا نمونۂ کلام دینے کی یہاں ضرورت نہیں ہے - میں اس کے دیباچے سے کچھ اشعار اس سے قبل آپ کو سنا چکا ھوں - اب ھم ان کی تیسری تالیف "درد نامہ" کی طرف توجہ کرتے ھیں -

(م) درد نامہ

اب تک ھریانہ دبستان کی جن کتابوں کا ھم نے مطالعہ کیا ہے، یوں سمجھنا چاھیے پنجابی نظم نگاری کی تقلید میں لکھی گئی تھیں - لیکن محمد شاہ کے دور میں بلکہ اس سے چندسال قبل ایک انقلاب آتا ہے اور دھلی میں دکنی طرز کی شاعری رواج عام پاتی ہے - "درد نامہ" ایسے وقت میں تالیف ھوتا ہے جب دھلی میں اردو کا دبستان قائم

ہوچکا ہے اور مصنف نے اس سے اثر پذیر ہو کر اپنی اس نظم میں فارسی وزن متقارب مثمن محذوف و مقصور اختیار کر لیا ہے اور پرانے پنجابی وزن کو خیر باد کہہ دیا ہے ۔

دبستان دہلی کا پرتو "درد نامہ" کے خاتمے میں بھی نظر آتا ہے جہاں مصنف نے رسول اللہ کی وفات پر چار مرثیے حضرت فاطمہ و حضرت عائشہ ، حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی طرف سے لکھے ہیں اور ان کو دوہڑوں کے نام سے موسوم کیا ہے ؛ اگرچہ غزل کی طرز میں لکھے گئے ہیں ۔ ان میں تین مرثیوں میں قافیے اور ردیف کی پابندی کی گئی ہے جیسا کہ غزل کا دستور ہے لیکن پہلے مرثیے میں صرف ردیف پر قناعت کی گئی ہے ۔ قافیے کے ساتھ ردیف کا التزام در حقیقت دبستان دہلی کا پرتو ہے ۔

میرے پاس "درد نامہ" کا جو نسخہ ہے ، وہ میرے دوست پروفیسر سراج الدین آذر ۔ ایم ۔ اے ۔ ایم ۔ او ۔ ایل کی ملک ہے ۔ ۱۲۹۰ھ میں عبدالقادر نے اس کی کتابت کی ہے ۔ اس نسخے کے ایک سو سڑسٹھ صفحات اور ۱۶ سطور فی صفحہ ہیں ۔ کتاب کا نام دیباچے میں نہیں آتا ، البتہ خاتمے میں یوں آتا ہے :

لکھا میں درد نامہ کہا	اسی درد میں جیو جاساں دہا

سبب تالیف میں صرف اسی قدر لکھا ہے :

الٰہی تکبر خودی کھینچ لے	مسالی محبوب عالم کون دیہہ
کہے عشق سوں نعت احمد رسول	دو عالم میں ہوجائے مقبول پھول
پہلی باب حضرت کے دکھ کی لکھے	پھر فوت نامہ نبی کا لکھے

آخری شعر میں اشارہ ہے کتاب کے دو حصوں کی طرف ۔ پہلے حصے میں رسول اللہ پر کفار مکہ کے مظالم اور ستم رانی کی داستان ہے ، دوسرے میں آپ کی وفات کا بیان ہے ۔ اس تقریب سے کتاب کا نام "درد نامہ" رکھا گیا ہے ۔ آخری حصہ یعنی "فوت نامہ" صفحہ ۱۲۳ سے شروع ہوتا ہے ۔ افتتاحیہ شعر یوں ہے ۔

اوٹھ اب آؤ محبوب عالم سنبھار
پھر کا کسبہہ خوب نامہ پوکار

محبوب عالم کی زبان کی صرفی خصوصیات کے متعلق گذشتہ صفحات میں کافی اشارے ہوچکے ہیں۔ یہاں بعض نئے امور کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

اردو میں ذوالحال کا حال دکھلانے کے لیے اسن جملہ اور فعلی صورتوں کے ایک صورت 'دھرے ہوئے' 'رکھے ہوئے' یا خالی 'دھرے' اور 'رکھے' بھی مستعمل ہے۔ مثلاً:

'پوٹ سر پر دھرے ہوئے' یا 'پوٹ سر پر دھرے': اس موقعے پر ''درد نامہ'' میں ایک قدیم صورت 'دھروں'، 'کروں' وغیرہ ملتی ہے، مثلاً:

پھر ایسی بیچ آئے گھروں | اچھی خوب دستار سر پر دھروں

یعنی اچھی دستار سر پر دھرے۔

دوسری مثال:

چلے فاطمہ پاس ماتم کروں | سنی اے دین اس کے گھروں

ماتم کروں یعنی ماتم کرتے ہوئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ ضمائر میں بھی تصریف کا قاعدہ جاری تھا، مثلاً ہم سے 'ہماں'، 'ہموں' اور 'ہمیں'۔ تم سے 'تماں'، 'تموں'، 'تمہیں'۔ اور ان سے 'انہاں'، 'انہوں'۔ 'انہیں' آتے تھے۔ اس کتاب میں یہ تینوں شکلیں موجود ہیں۔ کاف بیانیہ محبوب عالم کی تصانیف میں نہیں ملتا۔ اس کی جگہ 'جو' آتا ہے:

کہا آپ حضرت نے تحقیق راز | جو معراج مومن کی ہے یہ نماز

اس موقعے پر چند اشعار جنگ احد کے بیان سے سناتا ہوں:

ہوئی صف جو دونو طرف سے طیار | ہوکارے چھوٹی طرف سے مار مار
ترنگوں کی ہرنگ کھینچی لگام | بھئی دنگ اس جنگ کی دھوم دھام
دھاتدم گھاندم ہوئی بھیر کر | لیا ایک نیں ایک کوں گھیر کر

کہیں برچھیاں نرچھیاں ہاتھ میں
کری سپل کی ریل اوت کھیل کر
شتاشپ چلے تیر سے تیر زور
لگے گرج بھاری گرج شور کر
ہٹی ڈھار تروار اوت آب دار
لڑائی لگی ، اہک قیامت اوٹھی
کہیں مست گھومیں صحابی کھڑے
مسلماں اصحاب نے نیر کر

ہوے مرد کے مرد جب گھات میں
لیا مرد نیں مرد کوں پھیل کر
کہیا کھپ ہوے یار سنجوہ بھوڑ
کمر توڑ ڈاری نہٹ زور کر
جیسے یار ماں ہوے لوہ دار
قیامت کی اس بات چھاتی پھٹی
کہیں گھاو کھائے ترپتی پڑے
لیا مار کفار کوں چیر کر

دوہرہ حضرت فاطمہ :[1]

اس درد میرے کے اوپر سو لاکھ نیناں چاہییں
کوہل پپہیا کوکلا دکھ دیکھ میرا رووتے

[میں] درد ماں پر درد ہوں سکھ زرد ہو کر گرد ہوں
جو آئیں پنچھیں سوہ تن دکھ دیکھ میرا رووتے

جہا سہا میں درد دکھ ایسا سلیماں پر جو ہو
سب دیو پریاں بھوت جن دکھ دیکھ میرا رووتے

یہ آنچ دوزخ میں نہیں جو آنچ میرے تن لگی
غلمان و حوراں جنتی دکھ دیکھ میرا رووتے

ہر بات ماں لوہو بہے ہر حال ماں چھاتی دہے
جنگل پہاڑاں باغ بن دکھ دیکھ میرا رووتے

سب رین روواں ایکلی سکھ چین سوواں نا بھلی
سورج ستارے چاند بھی دکھ دیکھ میرا رووتے

محبوب عالم فاطمہ دکھ آپنے میں یوں کہا
سب انبیا اور اولیا دکھ دیکھ میرا رووتے

---

۱ - 'لُهٹھنا' بہ معنی ترتیب پانا ، تیار ہونا و سجانا - پنجابی میں بھی مستعمل ہے - (مرتب)

یہاں ہمیں اس زبان کی خامیوں اور نقائص کی تلاش میں اپنا وقت
صرف نہیں کرنا چاہیے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ ہماری زبان جب تقریر
سے تحریر کے مدارج پر ارتقا کرنے لگی ہے ، اس وقت اس کی کیا حالت
تھی ۔ اس سلسلے میں محبوب عالم و دیگر مصنفین کی تالیفات ہمارے
لیے قیمتی دستاویزوں کا حکم رکھتی ہیں ۔ ان میں قدیم اردو کا
گراں بہا سرمایہ محفوظ ہے جو اصول و قواعد زبان اور قدیم طریق تلفظ
پر کافی روشنی ڈالتا ہے ۔

اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اور اس قدر گزارش
کرتا ہوں کہ محبوب عالم کی یہ تحریک ملک ہریانہ میں نہایت کامیاب
اور بار آور ثابت ہوئی ہے ۔ متعدد اہل علم ان کے ہم عصر ہیں ، مثلاً
میر جعفر زٹلی ساکن نارنول ، اثل نارنولی اور اکرم رہتکی المتخلص
بہ قطبی جو "نبرد نامہ" کے مصنف ہیں ۔ شاہ عبدالحکیم مصنف
"خواب نامہ" و "جہیز نامہ بی بی فاطمہ" ، شاہ غلام جیلانی رہتکی مصنف
"چوپائی ہا" اور مولوی شاہ محمد رمضان مہمی ، امام بخش تھانیسری
اور دیگر اصحاب محبوب عالم کے بعد اس تحریک کو زندہ رکھتے ہیں ۔
لیکن ان بزرگوں کا ذکر میرے آئندہ مضمون کا موضوع ہوگا ۔

(۴)

۳ ۔ اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی

ہندوستان میں شیخوں کی ایک قابل التعداد اور غیر معروف جماعت
ہے جو اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتی ہے ۔ علی گڑھ ، سنبھل ، رہتک
وغیرہ شہروں میں یہ لوگ آباد ہیں ۔ بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ صحیح
معلوم نہیں لیکن یہ عقیدہ کہ بنی اسرائیل یہودی النسل ہیں ، یقیناً
صحیح نہیں ۔ قرین قیاس یہ ہے کہ ان کے اجداد میں کوئی بزرگ
اسرائیل نامی گزرے ہیں اور ان کی نسبت سے یہ قوم بنی اسرائیل
کہلائی ۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تغلقوں کے زمانے میں
یہ لوگ بیرون ہند سے آ کر یہاں آباد ہوگئے ، مگر تاریخوں میں ان کا

تذکرہ عہد جلال الدین اکبر سے پیشتر نہیں ملتا ، اس کے بعد البتہ
خاص خاص موقعوں پر آتا ہے ، بنی اسرائیل میں تعلیم و تعلّم ، علوم و
فنون ، تصوف و سلوک ، نیز خوش خطی کا چرچا کم و بیش ہر زمانے
میں رہا ہے اور بعض اوقات نامی آدمی بھی ہوئے ہیں ۔ طبقۂ علما میں
ایک بزرگ شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل ہیں جو اکبر کے عہد سے تعلق
رکھتے ہیں ۔ عبدالقادر بدایونی نے اس عہد کے مشاہیر میں ان کا شمار
کیا ہے وہ انھیں شیخ اسحاق کاکو کا شاگرد بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے
کہ شیخ نے اپنی عمر کا اکثر حصہ درس و تدریس اور تقویٰ و طہارت میں
بسر کیا لیکن جب شباب سے کہولت اور کہولت سے شیخوخت کی منزل
میں قدم رکھتے ہیں اور ڈاڑھی سپید ہوسکتی ہے ، ان میں ایک انقلاب
آتا ہے اور کسی مطربہ پر عاشق ہوجاتے ہیں ، اور امور منہیہ کے مرتکب
ہو کر رندانہ زندگی اختیار کر لیتے ہیں حتیٰ کہ شراب تک سے پرہیز
نہیں کرتے ۔ شیخ کے شاگردوں کو اس امر سے بہت صدمہ ہوا ۔ جس طرح
شیخ صنعان کے شاگردوں نے اپنے استاد کی اصلاح کی کوشش کی تھی ، یہ
لوگ شیخ سعداللہ کی اصلاح میں مصروف ہوجاتے ہیں اور نوبت یہاں تک
پہنچتی ہے کہ شاہی محتسب بھی ان کا شریک کار ہو جاتا ہے ۔ بالآخر
شیخ تائب ہو کر بدستور قدیم اپنے مشاغل علمی میں مصروف ہو جاتے
ہیں ۔ شیخ سعداللہ صاحب کی تصانیف کثیر ہیں ۔ امام غزالی کی
''جواہر القرآن'' پر ایک شرح جو ان کی تصنیف ہے ، ان ایام میں بہت
مقبول تھی ۔

بدایونی نے ان کا ایک اور واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ بنی اسرائیل دراصل ہندو تھے ۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک دن
جلال الدین اکبر بادشاہ نے شیخ سعد اللہ کو خلوت میں بلا کر پوچھا
کہ شیخ تمھاری قومیت کیا ہے ؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم جماعت
نویسندہ سے تعلق رکھتے ہیں جنھیں ہندی زبان میں کایت[1] کہتے

---

[1] ۔ کایت = کایتھ (ہندی) = کایستھ (سنسکرت) ۔ مشہور ہے کہ
کایستھ ، کھتری باپ اور شودر ماں کی اولاد ہیں ۔ (مرتب)

ہیں ۔ بادشاہ ان کی صاف گوئی سے بہت محظوظ ہوا ۔ بدایونی کے الفاظ یہ ہیں :

''چون خلیفہ الزمانی اورا بہ خلوت طلبیدہ پرسیدہ اند کہ از کدام قومید گفتہ ار نویسندہا کہ ایشان را بزبان ھندی کایت می گویند ۔ بادشاہ را این بے تکلفی بسیار خوش آمد و صحبتے معتد داشتند ۔''
(منتخب التواریخ ، صفحہ ۲۹۲ ، نول کشور)

اگر یہ بیان صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل دراصل کایستھ ہیں ۔

بنی اسرائیل میں مجھ کو تین کاتب معلوم ہیں : پہلے ابوالفتح بن شیخ محمد بنی اسرائیل ساکن کمول جو ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۱ء) میں دیوان حافظ کی کتابت کرتے ہیں ۔ یہ نسخہ اب برٹش میوزیم کے کتب خانے میں ہے ۔ ریو کی فہرست جلد دوم میں صفحہ ۶۲۹ پر اس کا ذکر آتا ہے اور نمبر ایڈ ۷۸۹۰ ہے ۔

ادھا بنی اسرائیل کولوی ایک اور کاتب ہے جو سترھویں صدی عیسوی میں گزرا ہے ۔ شاہ نامے کی پہلی جلد جو اس کے قلم سے نکلی ہے ، انڈیا آفس کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ ایتھے نے اپنی فہرست میں صفحہ ۵۳۸ پر بذیل نمبر ۸۶۲ اس کا ذکر کیا ہے ۔

محمد شریف بنی اسرائیل موسوی ساکن بلدہ کول جلالی تھرا کاتب ہے جس کے ہاتھ کی ''مواہب علیہ'' نوشتۂ ۱۰۹۲ھ ریو کی فہرست مخطوطات فارسی جلد اول صفحہ ۱۰ پر مندرج ہے ۔ انشا نگاروں میں محمد امین بنی اسرائیل اپنی ''مجمع الانشا'' ۱۱۳۶ھ میں بفرمائش بدھ چند تدوین کرتا ہے[1] ۔ نعمت اللہ بنی اسرائیل کی ''انشائے نعمت'' بھی انڈیا آفس میں مخطوطہ[2] ہے ۔

آمدم بر سر قصہ : شیخ اکرم رھتکی مصنف ''تیرہ ماسہ'' رھتک

۱۔ نمبر ۲۱۲۲ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس ۔
۲۔ نمبر ۱۲۹۸ فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس ۔

کے بنی اسرائیلیوں سے تعلق رکھتا ہے ۔ وہ اپنے آپ کو شیخ زادۂ بنی اسرائیل کہتا ہے ۔ چناں چہ بیرہ ماسے کا یہ شعر ہے :

بنی اسرائیل سب ہیں شیخ زادہ　　　رہیں رہتک شہر از بس کہ سادہ

ہم اکرم کے حالات زندگی سے بالکل ناواقف ہیں ۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس کا تخلص قطبی ہے اور غالباً شیخ قطب الدین حبیب کا مرید ہے جو حضرت ابو صالح قطب کے تیسرے فرزند اور حضرت قیس کی اولاد ہیں جن کا قصبہ ساڈھورا میں سجادہ ہے ۔

قطبی ہے نصیب ڈھولا گھر میں پاتا
قطب الدین حبیب جی سے مشکل گاتا

ایک اور موقعے پر لکھا ہے :

گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا
کہ جن کا ہے وطن حضرت ساڈھورا

ابو صالح قطب کے تیسرے پوت
قیس اعظم جیو کے اولاد اودھوت

۱۱۳۳ھ مطابق ۱۳ جلوس محمد شاہی میں اکرم نے "تیرا ماسہ" یا "بارہ قصہ" بہ تتبع "بارہ ماسہ" محمد افضل نارنولی تصنیف کیا ہے ۔ کہتا ہے :

بارہ قصہ ہوا ہے آخر پارو　　　تیرا ماسا بھی اس کے ناں بچارو
بارہ ماسا ہوئے تھا اور سب کے　　　تیرا ماسہ ہوا جا کر قطب کے
بکٹ افسانہ کا ہے یہ تو بھیا　　　دونوں کے ناں جتا ہے دوی میا
ابو مین افضل کہ جس کا نانو گوپال　　　کیا ہے نارنولی صاحب حال
اسے قطبی کہ اکرم کر ہے مشہور　　　ز شعر و علم ہر دو ہست معذور
ہزار و یک صد و چہل ثلث دیگر　　　جو تھاتب سن ہجری مشک اذفر
محمد شاہ کی ہے بادشاہی　　　لکا ہے سن تیرا از الٰہی

دو مرتبہ اس نے اپنی عمر اڑتیس سال کی طرف اشارہ کیا ہے :

گنوانے سوچ اور غفلت ماں اٹھتیس
پھنسا در دام آں شیطان ابلیس

دیگر

جو سن اٹھتیس میں ڈھولن ملاؤ
گویا سو لاکھ ہندی کو چسھو ڈاؤ

تیرا ماسہ بہ تتبع بارہ ماسہ قطبی کی ایجاد ہے ۔ ان میں اسی قدر فرق ہے کہ بارہ ماسہ میں صرف بارہ مہینوں اور ان کے متعلقہ موسمی حالات کا بیان ہوتا ہے ۔ تیرا ماسہ میں لوند کا مہینہ بھی شامل کر لیا گیا ہے ۔ باقی مراتب میں بارہ ماسہ اور تیرا ماسہ بالکل ایک ہیں ۔

یہاں چند الفاظ بارہ ماسہ کے متعلق کہنے ضروری ہیں : نظم کی یہ قسم اس کی موجودہ حالت میں خالص ہندی پیداوار معلوم ہوتی ہے اور ہندی جذبات کی حامل ہے ۔ بارہ ماسہ درحقیقت ایک فراق نامہ یا سرگزشت ہجراں ہے ۔ ہندی میں چوں کہ عورت عاشق اور مرد محبوب مانا گیا ہے ، اس لیے یہ سرگزشت اکثر عورت کی طرف سے بیان ہوتی ہے ۔ وہ اپنے محبوب کی جدائی کا ایک ایک مہینہ الگ الگ گنتی ہے اور خصوصیات موسمی کے ذکر کے ساتھ ساتھ اپنے جذبات عشق اور کیفیت قلبی کو با حسرت و یاس ایک دل گداز پیرائے میں بیان کرتی ہے ۔ مثلاً ساون آتا ہے ، محبوب گھر نہیں ، سیاہ بادل آسمان پر محیط ہیں ، پپیہا اس کو پی کی یاد دلاتا ہے ، کوئل کی کوک سے دل میں ہوک اٹھتی ہے ۔ اتنے میں مینہ برسنے لگتا ہے ۔ ادھر یہ فراق زدہ طوفان گریہ شروع کر دیتی ہے ۔ یا مثلاً اسوج کا مہینہ ہے ، شہر میں دیوالی منانے کی تیاریاں ہر طرف ہو رہی ہیں ۔ دیوالی کی شب آتی ہے ، کوچہ و بازار میں چراغاں کا عالم ہے اور گھر گھر میں چراغ روشن ہیں لیکن یہ دکھیاری اپنے تاریک گھر میں سیج پر منہ لپیٹے پڑی ہے ؛ اندھیرے میں دم گھٹتا ہے ، کلیجہ منہ کو آتا ہے ، گھبرا کر اٹھ بیٹھتی ہے ۔ الغرض اسی طرح ہر مہینے کے تمام موسمی لوازمات بیان

ہوتے جاتے ہیں ۔ ادھر ساتھ ساتھ قصۂ غم ہجراں بیان ہوتا رہتا ہے ۔ جب مہینہ ختم ہوتا ہے اور دوسرا مہینہ لگتا ہے ، نہایت حسرت کے ساتھ کہتی ہے "لو یہ مہینہ بھی ختم ہوا اور محبوب گھر نہیں آیا ۔ جب اس طرح سے پورے بارہ مہینوں کا بیان ہو چکتا ہے کسی بشارت ، فال یا خواب کی تعبیر کی بنا پر سمجھ لیا جاتا ہے ، کہ اب وصال عنقریب ہونے والا ہے ۔ یہ دکھیا اپنے گھر لوٹتی ہے اور دیکھتی ہے کہ محبوب فی الواقع گھر آ چکا ہے ۔ دوڑ کر اس کے قدموں میں گر جاتی ہے ۔ وہ گلے لگا لیتا ہے اور ایام جدائی ختم ہوجاتے ہیں ۔

بارہ ماسہ ہمیشہ نظم میں ہوتا ہے اور مختلف بندوں میں بحساب ماہ منقسم ہوتا ہے ۔ ایک ایک بند میں ایک ایک مہینے کا مذکور آتا ہے ۔ بند کے آخر میں دوہرہ اکثر لایا جاتا ہے ۔ بعض وقت دوہرے کے ساتھ فارسی شعر بھی ہوتا ہے ۔ اگر دوہرہ نہیں ہے تو بند کے اوپر عنوان میں خالی مہینے کا نام لکھ دیا جاتا ہے ۔ سنسکرت میں بارہ ماسہ نہیں ملتا ۔ اس کے ادبیات کا اکثر و بیشتر ذخیرہ دیسی زبانوں میں پایا جاتا ہے جن میں برج ، اودھی ، پنجابی ، ہریانی اور اردو قابل ذکر ہیں ۔ فی زمانہ بارہ ماسہ متروک ہو چلا ہے لیکن اب سے تیس سال پیشتر تک کافی مقبول تھا ۔ بے شمار اہل قلم نے اس پر طبع آزمائی کی ہے اور اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں اس کا بے حد چرچا رہا ہے ۔ صرف ناگری پر چارنی سبھا کی سالانہ فہرستوں سے ہمیں ذیل کے بارہ ماسہ نگاروں کے نام ملتے ہیں :

(۱) مہاراجہ بلبھدرا سنگھ (ناگو) ۱۸۲۱ء (۱۸۸۸ب) (۲) اومادت ۔ تاریخ نامعلوم (۳) راجہ دیوی سنگھ ۱۸۳۱ب (۴) کھیت سنگھ (۵) نرہری داس بخشی ۱۹۳۲ (۶) چمن کنوری ، تاریخ نا معلوم (عورت) (۷) راجہ پرتھوی سنگھ (۸) لال داس (۹) سندر (۱۰) محمد شاہ (۱۱) کبیر بھگت (۱۲) جن گوپال ۔ قریب ۱۷۷۶ء (۱۳) جواہر رای ۱۷۹۵ء (۱۸۲۲ب) (۱۴) (۱۵) خیرا شاہ (۱۵) رسانی ۱۸۲۹ء (۱۸۸۶ب) ۔

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانے میں :

(۱۶) جسودھانند (۱۷) سیوا داس (۱۸) بیساکھی مل (۱۹) مگن (۲۰) مرلی داس (۲۱) سنت داس ۔

پیر زادہ محمد حنیف کے پاس :

(۲۲) هرنام (۲۳) بارہ ماسہ سنگرہ جس میں چار بارہ ماسے ہیں ۔ (۲۴) از مسرور ، تصنیف ۱۲۵۳ھ (۲۵) سردار خان ۔

میرے پاس حسب ذیل ہیں :

(۲۶) عبدالوہاب (۲۷) مقصود (۲۸) خیرا شاہ (۲۹) بنی مادھو (۳۰) محمد افضل (۳۱) اکرم ۔ ۱۱۳۳ھ (۳۲) کرپا رام کایستھ بھٹناگر ساکن قصبۂ ترولی سمت ۱۹۲۷ (۳۳) کبیر ۱۱۳۰ھ بہ فرمائش چولا سید مراد ۔

یہ شاید اتفاق ہے کہ اس فہرست میں وہی بارہ ماسے زیادہ قدیم ہیں جو مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں ، مگر ان سے قدیم وہ ہیں جو گرنتھ صاحب میں محفوظ ہیں ، اگرچہ ان کی تاریخ معلوم نہیں ہے ۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بارہ ماسوں کا آغاز کس زمانے سے ہوتا ہے ؟ آیا وہ خالص ہندوانی ہیں اور قدیم سے ہیں یا ان کی ایجاد میں مسلمانی ہاتھ ہے ؟ ہم اپنی موجودہ معلومات کی روشنی میں اس کا کوئی قطعی جواب نہیں دے سکتے ۔ لیکن بارہ ماسے کی ایک قدیم طرز ہمیں خواجہ مسعود سعد سلمان کے دیوان فارسی میں ملتی ہے جو مروجہ حال بارہ ماسہ کی اصل مانی جاسکتی ہے ، اگرچہ مضمون کے لحاظ سے مختلف ہے ۔ خواجہ مسعود کے ہاں نہ صرف بارہ ماسہ ہے بلکہ اس سے قریبی علاقہ رکھنے والی دو اور بھی چیزیں ہیں ۔ مثلاً اول تو ان کے ہاں بارہ ماسہ ہے جسے وہ 'غزلیات شہوریہ' کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔ شہوریہ بارہ فارسی مہینوں کے نام پر ہے ، یعنی :

فروردین ۔ اردی بہشت ۔ خورداد ۔ تیر ۔ مرداد ۔ شہریور ۔ مہر آبان ۔ آذر ۔ دے بہمن ۔ اسفندارمز ۔

گویا ان بارہ مہینوں کے نام پر بارہ غزلیں ہیں جو مختلف وزن اور

ردیف و قافیہ میں ہیں ۔ ہر غزل میں سات سات شعر ہیں ۔ مطلع میں التزاماً بارہ ماہے کی طرح مہینے کا نام آتا ہے ۔ بعد کے اشعار موسمی کیفیت اور شراب کے ذکر سے شروع ہوتے ہیں اور بادشاہ کی مدح و دعا پر ختم ہوتے ہیں ۔ ہر غزل میں ابوالملوک ملک ارسلان (۵۰۹ و ۵۱۲ھ) کا نام آتا ہے ۔ ان غزلوں کی زبان نہایت سادہ اور سلیس ہے ۔ اس سیورہ سے میں ایک غزل جو ماہ اردی بہشت سے متعلق ہے ، اس موقعے پر نقل کرتا ہوں :

بہشت است گیتی ز اردی بہشت
ہلال آمد ای مہ مے اندر بہشت

بشادی نشین و مے لعل خواہ
کہ بے مے نشستن زشت است زشت

بہ راغ و بباغ و بکہسار و بدشت
ز فر گرامایہ اردی بہشت

بخندید گلزار و بگریست ابر
بنالید مرغ و ببالید کشت

بسے کلبہ یابی کہ رضوانش ساخت
بسے جاہ بینی کہ حوراش رشت

دو گیتی کہ ملک ملک ارسلان
گل و عنبر و مشک درہم سرشت

جہاندار شاہے کہ چرخ بلند
بہ ملکش یکے عہد محکم نبشت

(صفحہ ۲۸۱ ، دیوان ، ۱۲۹۶ھ)

اس کے بعد خواجہ کے ہاں غزلیات ایامیہ درج ہیں ۔ چوں کہ فارسی مہینے کے تیس دنوں کے نام علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں ، یعنی اہو مزد روز ، بہمن روز ، اردی بہشت روز ، خورداد روز ، مرداد روز وغیرہ ، اس لیے ہر دن کے نام پر پانچ پانچ شعر کی ایک ایک غزل ہے جو شاہ ارسلان مذکور کے نام پر ہے ۔ خورداد روز کی غزل یہاں نقل

کر دی جاتی ہے :

خورداد روز ، داد نباشد که با مداد
از لهو و خرمی نستانی زباده داد

از باده جوی شادی واز باده باش خوش
بے بادہ این جهان همنا باد گیں باد

خاصه که عدل شاه جهان چون بهشت کرد
درهای خرمی و نعم بر جهان گشاد

سلطان ابوالملوک ملک ارسلان که چرخ
گوید که تا حشر ملک ارسلان زیاد

دایم عزیز باد که دین است ازو عزیز
از ملک شاد باد کزو هست خلق شاد

تیسری قسم میں غزلیات اسبوعیه یعنی هفته واری غزلیں هیں جو
هفتے کے هر هر دن کے ساتھ منسوب هیں ۔ غزلوں کی تعداد سات اور
هر غزل کے پانچ پانچ بیت هیں ۔ یہاں شنبے کی غزل مذکور ہے :

زحل والی شنبه است ای نگار
مرا ایں چنیں روز بے مے مدار

زحل تیره رای است و تاریک جرم
تو خیز و سی لعل روشن بیار

که امروز گیتی همه روشن است
ز اقبال و عدل شه کامگار

ملک ارسلاں پادشاهے که او
زمانه فروز است و گیتی نگار

بهار و خزان باد روز و شبش
همیش روز باد و خزانش بهار

اسی طرح خواجه مسعود کے هاں هم دوازده ماهه ، سی روزه اور

هفتہ واری نظموں سے دو چار ہوتے ہیں ۔ اس صورت حالات میں اگر بارہ ماسہ کو مسلمانی ایجاد مانا جائے تو بجا ہے مگر ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے کہ خواجہ مسعود ایرانی شاعر نہیں ہیں بلکہ ہندوستانی ہیں ۔ لاہور میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم و تربیت پائی اور پنجاب ہی میں مختلف مناصب پر سرفراز رہے ۔ ان کی شاعری کا زمانہ ۴۸۰ھ کے قریب سے شروع ہو کر ۵۱۵ھ کے قریب ختم ہوتا ہے ۔ ایران میں اس صنف نظم کا کہیں پتا نہیں چلتا ، اس لیے دو صورتیں ممکن ہیں ؛ ایک تو یہ کہ خود خواجہ مسعود ہی اس صنف کے موجد ہیں ۔ دوسری یہ کہ ان ایام میں اس قسم کی نظموں کا دیسی زبانوں میں رواج تھا جیسا کہ ہمارے زمانے تک رہا ہے ۔ اس صورت میں خواجہ مقلد ہیں اور بارہ ماسہ بے حد قدیم ہے ۔ اردو زبان میں سب سے قدیم بارہ ماسہ محمد افضل کا ہے جو یقیناً سترھویں صدی عیسوی میں لکھا گیا ہے ۔ اس کے بعد قطبی کے تیرہ ماسے کا نمبر ہے جس کا یہاں تبصرہ کیا جاتا ہے ۔

اس کے نسخے نایاب کم یاب ہیں ۔ مجھے صرف دو کا حال معلوم ہے ۔ پہلا انڈیا آفس کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور فہرست مخطوطات میں بہ ذیل نمبر ۹۲ شمارہ ۷ میں درج ہے ۔ ۱۲۵۳ھ میں عبدالکریم نے اس کی کتابت کی ہے ۔

دوسرا نسخہ میرے پاس ہے جس کو عنایت اللہ ولد حافظ امام بخش ۱۲۷۹ھ میں بہ مقام رہتک نقل کرتا ہے ۔ تعداد صفحات بائیس اور ہر صفحے میں سترہ سطریں ہیں ۔

اس تیرہ ماسے کو دیکھ کر معاً یہ خیال ہمارے دل میں آتا ہے کہ ہریانی زبان فقہی و دینی معاملات کی تنگنائے سے نکل کر مذاق عام کی شاہراہ پر قدم زن ہے ۔ بارہ ماسہ وغیرہ قسم کی چیزیں عوام الناس میں بے حد مقبول ہوتی تھیں ۔ لوگ انھیں زبانی یاد کرتے ، پڑھتے اور گاتے پھرتے تھے ۔ گیت اور لاونی کے بعد ان کا نمبر تھا ۔

قطبی کا تیرہ ماسہ نہایت سہل اور عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے ۔ اس کا وزن وہی ہے جو محمد افضل کے بارہ ماسے کا ہے ، یعنی بحر ہزج

مسلس عذوف و مقصور ۔ اس کے داستانی اجزا نہایت رو کھے پھیکے اور بدسلیقگی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کہانی اصلی واقعات پر مبنی نہیں ہے بلکہ تخیل پر اس کا دار و مدار ہے ۔
تیرہ ماسے کا قصہ مختصراً یوں ہے کہ شاعر ایک دن کسی تیرتھ یا اشنان کے مقام پر نہانے کے لیے جاتا ہے ۔ وہاں اسے ایک محبوب سرو اندام نظر آتا ہے ۔ ناگنی زلفیں اس کے رخساروں پر کھیل رہی تھیں اور عنبریں دولائی اوڑھے تھا ۔ یہ محبوب جو جنس لطیف سے تعلق رکھتا ہے ، انہیں دیکھ کر مسکراتا ہے ۔ ان کے خرمن ہوش و خرد پر بجلی گرتی ہے اور بے ہوش ہو جاتے ہیں ۔ آج کل کا زمانہ ہے اعتقادی کا زمانہ ہے ؛ آپ لوگ کب ماننے لگے ، اگر میں یہ کہوں کہ جناب شاعر تین یوم تک برابر بے ہوش رہے ، مگر ان کا یہی بیان ہے ۔ چنانچہ فرمایا ہے :

رہا دن تین تک بے ہوش و بے خود
آئی پھر جس کے پیچھے سرت اور سدھ

بیٹھا اوٹھ کر دیکھا احوال اپنا
تھا سب کچوں پھوا گویال اپنا

اور ہمت کی کمر باندھ کر ہمارا مجنوں اپنی لیلیٰ کی تلاش میں نکلتا ہے ۔ قصہ مختصر بعد خرابی بسیار ملاقات ہوئی ، وعدے وعید ہوئے اور گھر لے آئے ۔ کئی سال تک نرد محبت کھیلتے رہے ۔ آخر فلک مکار نے نیا پانسہ پھینکا ۔ ان کا ایک رقیب بھی کہیں گھات میں تھا ۔ یہ گھر سے باہر کسی کام گئے تھے ۔ وہ میدان خالی پا کر آ دھمکا اور ان کی لاڈلی کو یہ پٹی پڑھائی کہ اے دیوانی تو کیا بھولی بیٹھی ہے ۔ اس نے تو کسی اور محبوب سے بازی الفت لگا لی ہے :

کسا محبوب سیں تیں کیا بھولانا
تیں نے اس کا فکر اب کچھ نہ جانا

اونے ایک اور سیتی پیت جوڑی
تری الفت جو اپنے دل سیں توڑی

لالن تھیں بھول بھالی ، غصے اور حسد کی آگ نے اور بھی اندھا کردیا ۔ رات کو موقع پا کر گھر سے چل دیں ۔ جب یہ واپس آئے دیکھا کہ پنجرہ خالی ہے اور مینا اڑ چکی ہے ۔ دوبارہ تلاش شروع ہوتی ہے ۔ سب کچھ تج کر اور فقیر بن کر شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرتے ہیں ، تیرتھوں اور زیارت گاہوں میں جاتے ہیں ، دشت و صحرا کی خاک چھانتے ہیں مگر محبوب گم گشتہ کا سراغ نہیں ملتا ۔ آخر تلاش سے تھک کر میدان میں ایک جھونپڑی باندھ کر اس میں پڑ رہے اور تصور یار میں کھو رہنے لگے ۔ اتنے میں برسات شروع ہوگئی اور اساڑھ کا مہینہ لگ گیا ۔ یہاں سے بارہ ماسہ شروع ہوتا ہے ۔ میں یہاں اساڑھ کا بند نقل کرتا ہوں ۔ یہ یاد رہے کہ ہر بند کی ابتدا میں عنوان کے طور پر دو دو شعر سورٹھا کے لائے گئے ہیں :

آیا ماس اساڑھ فوج سنگاری نیہہ کی
کیسیں کیجے ٹھاڈھ سرہ اپنیں نہ کریہہ کی

ڈھولا پھرے بدیس میں تنہا لاچار ہوں
کہو سوں لٹ لٹ کیس قطبی آپا سار ہوں

چلیے دل بادلوں کے سنگ آساڑھ
میرا چھوڑا لیا اون بیریوں کاڑھ

سیہوں پہلے اگر کوئل کنکائی
جو سوتی آاڑ ان سوکن جگائی

آئے پھر اندرا جیسا دے نگارا
پیا بن حال کیسا ہوگا ہمارا

اچانک توپ کی جیوں رعد گرجا
کڑک اوس کی جو سن کر رعد لرجا

ارے یہ رت کہاں میں نکس آئی
میری برہن کے دونی آگ لائی

ھوئی برسات ماں ٹھنڈک کے بیچے
میرے سینے لگے آتش کے نیچے

ودھر سو اندھے نالے چلانے
ادھر انکھیوں نے دو دریا بہانے

اودھر آساڑھ برسا دونگڑا کہن
ادھر جھڑ لائے برسیں اپن لسدن

اودھر امڈی گھٹا بادل چہوں اوڑ
ادھر باندھا مری نینوں نے گھنگوڑ

عجب حالت ہوئی بن پیو پیاری
کہوں کسکے جو آگے یہہ پچھاری

ادھر آساڑھ بیری چڑھ کر آیا
اودھر ڈھولن نے گھر پردیس چھایا

کوئی جا کر کہے پیو سیں کہانی
بھوے کی نہیں ہے باب سہانی

جو کن دولی نے جا کر دوت لایا
میرے تیرے بھتر ٹونان چلایا

ارے یہہ دودھ کابھی کن رلائی
متسلی بیچ سرسوں یوں جمائی

بجانوں کس طرح اب ہوئے بہلا
لگی تھی کس گھڑی اور کون پہلا

ارے قطبی کہاں تک ہوئے زاری
مٹے نہانہیں تمامی عمر خمواری

جو بے پرواہ سیں یہہ پریت لاگی
لگن ایسی لگی جو سب سیں بھاگی

سمجھیا ان سمجھ یوں ہو گیا لٹو
اندیشے ساب چلا اب جات ہے جھٹ

کسا بیری لوگوں کا پیو نے ھانسا
پنہایا ھنس گیہس پریم (کذا) بھانسا

نہ آئے آپ نسان بتیان شہائی
نہ دو بسانان زبانی کہیہ بھجائی

اڑے آخسر ھوا آساڑھ سارا
ملا ناہیں اجھوں تک پریم پیارا

اساڑھ کے بعد دوسرا مہینہ ساون ہے اور ساون کے بعد ایک اور ساون ہے جو لوند کا مہینہ ہے ۔ اس طرح جیٹھ تیرھواں مہینہ ہو جاتا ہے اور اسی بنا پر نظم کا نام تیرہ ماسہ رکھا گیا ہے ۔ ہمارا شاعر تیرھوں تیرتھوں پھرتا ، قطب کے پاس جن کا وطن ساڈھورا ہے ، جاتا ہے ۔ قطب صاحب کا نام قطب الدین حبیب ہے ۔ قطب صاحب بشارت دیتے ہیں کہ تم اپنے گھر جاؤ اور وہیں معشوقہ سے ملاقات ہوگی ۔ گھر پہنچتے پہنچتے بساکھ ختم اور جیٹھ لگ جاتا ہے ۔ گھر میں داخل ہوتے ہی ہمارا عاشق سودائی اپنی معشوقہ کو سیج پر بیٹھا دیکھتا ہے ۔ نہال ہو جاتا ہے ، دوڑ کر اپنی آنکھیں اس کے قدموں سے ملتا ہے اور چیخ چیخ کر روتا ہے ۔ معشوقہ گلے سے لگا لیتی ہے ۔ مدت کے بچھڑے مل جاتے ہیں اور اجڑا گھر پھر آباد ہو جاتا ہے ۔

بیساکھ کے بند میں شاعر نے بہار کو عقنف کا رنگ دیا ہے ۔ میں وہ بھی نقل کیے دیتا ہوں :

آئے گئے بیساکھ بیٹھی جو سیس ناگہہ ہیں
جرس ہوگئی راکھ میرے بھاویں لاکھ ہیں

ہو گئے بارہ ماس اجھوں نہ ظالم باھڑے[1]
دہی رہا نہ ماس پیو کی ہوں نہ باھڑے

---

۱ - باھڑے = پہنچے ۔ پنجابی میں 'بوھڑنا' بہ معنی پہنچنا بھی اسی کی ایک شکل ہے ۔ (مرتب)

ارے نسا کو من مومن کہاں رے
گئے ہیں کیا کوئی بر لا مکاں رے

اگر بر لا مکاں ہوں گے تو کیا ہے
مجھے اس پاس بھی جاناں بھیا ہے

اگرچہ مجھ کوں قوت نا رہی ہے
برہ نے موڑ کر دیہی دھی ہے

کروں کیا بن دیکھیں مکھ کوں جو مرجانو
نہیں دو جگ ماں مجھ کوں پھر کہیں ٹھانو

جیسے یوسف کی بڈھیا ہو خریدار
ہوئی مشہور انتی لے نہیں تار

خریداروں ماں اون نے نانو پایا
میں عاشق ہو کر آیا ہی گنوایا

زلیخا کی ترہ[1] پوری[2] کہانی
ہوا مجنوں سب لیلیٰ جو بانی

چلو اس جوڑے ڈھونڈھیں دولارا
پتا ں ڈھونڈھن نہ پایے پی پیارا

اگسر السعی مئی خـوانده تـو
ز عشق بس چرا درمانده تـو

پھرون چھون[3] دیس کر جوگن کا بھیسا
پا اوں جے عاقبت تیرا ہی دیسا

کرو جم عن اشرف کو صحی رے
وہی ہے سب جگاں حاضر وہی رے

---

۱ - یعنی طرح (مرتب)
۲ - باؤلی (مرتب)
۳ - پھروں چھوں (یعنی پھرتی ہوں) راجستھانی انداز ہے (مرتب)

ارے لوگو تمامی جگ میں جوہا
بچھڑے بادل تے میں تھا بچھوڑا

مرا دلدار تھا میرے ہی گھر ساتھہ
بیٹھا ایک اب کے اولھے تھا نہاں

میرے وہ عشق کا سورا جو لے تھا
صریحاً جان کر [لے] تھا جو دے تھا

بولے میں برنھوں اور جگ لیا پھر
کبھی پایا میں ھارا میں آخر

گیا پھر میں قطب کے پاس دوڑا
کہ میں کا ہے وطن حضرت ساڈھورا

ابو صالح قطب کے مسرے نوب
ممصی (کدا) اعظم جیو کے اولاد اودھوب

مجھیں اونھوں میرے گھر ماں بتایا
اونہاں سیں میں گھروں کو پھیر آیا

ھوا بسا کو آخر آوتے گھر
اگرچہ اوڑ چلا تھا لاے کے پر

ارے قطبی صبح کو ھوی میلا
صبر کر ایک شب بھر اور اکیلا

اکرم نے اس فراقیے کو نہایت سدھی سادھی زبان میں لکھا ہے ۔ جذبات و خیالات کی ادائگی میں اس نے سگھڑپنے اور خوش مذاق سے کام نہیں لیا ہے : نہ زبان کو سنوارنے اور شاعری کا ہنر دکھانے کی کوشش کی ہے ! جیسی اس عہد کی بولی ٹھولی تھی اور بول چال میں آتی تھی ، شاعر نے اسی بولی میں اپنا مطالب ادا کر دیا ہے ۔ صوفی الفاظ کی پروا نہیں کرتے ، معانی کو دیکھتے ہیں ۔ ہمارے شاعر کا بھی مقصد حقیقت ہے نہ مجاز ۔ علاوہ ازیں شمالی ھندوستان میں یہ عہد اردو کے ارتقا کی ابتدائی منزل ہے اور اس وقت حسن ادا ، رنگینی بیان

کی توقع کرنا خود ہماری نا سمجھی ہے ۔ ہمیں اتنا یاد رکھنا چاہیے کہ دھلی کے قرب و جوار میں جو ابتدائی ادبی کوششیں ہو رہی تھیں ان میں اکرم کا یہ فراقیہ ایک خاص امتیاز کا مستحق ہے ۔ وہ ایک ایسی تالیف ہے جس کی تاریخ تصنیف اور مصنف کے وطن سے ہم واقف ہیں ۔ خود شہر دھلی میں ابھی تک سناٹا ہے اور کوئی ادبی کارنامہ نظر نہیں آتا ۔

میں اس وقت تیرا ماسیے کے صرفی پہلو کے متعلق کچھ نہیں کہنا چاہتا ، اس لحاظ سے وہ بالکل محبوب عالم کی زبان کے مطابق ہے ؛ حتیٰ کہ وہ نادر شکل ، کروں ، دھروں ، جو محبوب عالم کے ہاں ہم دیکھ چکے ہیں، اکرم کے ہاں بھی موجود ہے ، مثلاً :

"کلیجہ ہاتھ پکڑوں گھر کوں آیا" یعنی ہاتھ سے کلیجہ پکڑے اور یہ شکل بھی موجود ہے مگر آخر میں ختد کے ساتھ ; شعر

دونوں اوڑوں سوں ناگن زلف چھوڈیں
دولانی عنبریں کی سر پسر اوڈھیں

یعنی چھوڑے اور اوڑھے ۔

فارسی عربی الفاظ میں کافی تصرفات نظر آتے ہیں ۔ یعنی نظارہ = 'نگارہ' ۔ لرزیدن کی ماضی 'لرجا' ۔ نیزہ = 'نیجا' ۔ اندیشہ = 'اندیشا' کوزہ = کوز ، شرمندہ = شرمند ، شاد = شادا ، نصیب = نصیبی ، وزاری = رجاری ، ستمگر = ستمی ، شائق = شوق ، انتظار = انتظاری ، ھجر = ھیجر ہے ۔ نمک بر زخم پاشیدن کا ترجمہ کیا ہے ; ع

میرے زخموں کے اوپر لون لایا

علاوہ بریں ریختہ کی طرز کے نا مکمل فارسی جملے استعمال ہوئے ہیں ۔ مثال ; ع

گویا املی ندی از ھر کنارے

دیگر : مئے عشق ہیچ دلکی در ھمہ حال

دیگر : وزاں ہی ابی فلک مکوہ مکری

دیگر :   فراغت زبن بکھاو دکھ جان ہے

کہیں کہیں ہندی کی ضرب الامثال بھی ملتی ہیں :

(۱) ہتھیلی میں سرسوں جمانا ۔ مصرع :

ہتھیلی بیچ سرسوں بوں جانی

(۲) ایک ہاتھ سے تالی نہیں بجتی ۔ مصرع :

نہیں ایک ہاتھ کی تاری ہو رہی

(۳) پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے ، کنواں پیاسے کے پاس نہیں آتا ۔ شعر :

پیاسا پاس کنوئے کے گیا ہے
کنوا پیاسے کے پاسا نہیں آیا ہے

مضمون کی طوالت کے خوف سے میں اکرم کے بیرہ ماسے کی دیگر خصوصیات سے دست کش ہوتا ہوں اور شاہ عبدالحکیم کی طرف توجہ کرتا ہوں ۔

۴ ۔ شاہ عبدالحکیم

حضرت صدیق اکبر کی اولاد میں سے ایک بزرگ شیخ کمال الدین یمنی ہندستان میں آ کر آباد ہو گئے ۔ ان سے چھٹی پشت میں شیخ قوام الدین تغلقوں کے دور میں وارد ہندوستان ہوئے ۔ حضرت نظام المشائخ نظام الدین اولیا سے بیعت کی اور سند خلافت حاصل کر لی ۔ دربار شاہی سے آپ کو منصب قضا سپرد ہوا اور رہتک کا علاقہ جاگیر میں مرحمت ہوا ۔ آپ کے پانچ فرزند تھے جن میں سب سے بڑے قاضی افتخار الدین تھے ۔ ان سے چھوٹے مولانا کبیر الدین تھے ۔ یہ دونوں رہتک سے ترک سکونت کر کے سہم میں آ بسے ۔ مولانا کبیر الدین سہم کے میر عدل مقرر ہوئے اور ان کی اولاد میں خطابت و عدالت کا عہدہ موروثی ہو گیا ۔ آپ سے چھٹی پشت میں شیخ محمد سلیمان ہیں جو میر عدل ہونے کے علاوہ حاکم شرع بھی تھے ۔ مولانا محمد سلیمان کے پوتے مولانا سیف اللہ ہیں جن کے پوتے حضرت شاہ کمال اللہ اور شاہ لطیف اللہ ہر دو برادر ہیں ۔ شاہ کمال اللہ منصب پنج ہزاری پر ممتاز تھے اور

لاھور میں کتاب خانۂ شاھی کے کتاب دار ۔ آپ کی ملاقات ایک بزرگ میر ایوب بدخشی سے ھوئی ؛ ان کی باتوں کا ایسا اثر ھوا کہ منصب و ملازمت ترک کر کے اور دنیوی تعلقات سے دست بردار ھو کر میر ایوب کے ھاتھ پر بیعت کر لی اور چھوٹے بھائی شاہ لطف اللہ کو اپنا جانشین بنا دیا ۔ ۱۱۵۵ھ میں شاہ کمال اللہ انتقال فرماتے ھیں ۔ حضرت شاہ کمال اللہ نے ھریانی زبان میں کوئی نہ کوئی تصنیف اپنی یادگار چھوڑی ہے لیکن ابھی تک اس کا سراغ نہیں چلتا (روضۃ الرضوان صفحہ ۲۲ ، ۱۹)

حضرت شاہ عبدالحکیم شاہ لطف اللہ کے فرزند اور شاہ کمال اللہ کے بھتیجے ھیں ۔ سال ولادت ۱۱۲۱ھ ہے اور تاریخی نام غلام الایوب و فیض گوھر ہے ۔ جب شاہ کمال اللہ نے بھتیجے کی ولادت کا مژدہ سنا بہت خوش ھوئے اور بچے کو اپنے پیر کی غلامی میں منسوب کرکے اس کا تاریخی نام غلام الایوب رکھا ۔ میر ایوب بدخشی نے عبدالحکیم نام دیا ۔ چناں چہ آپ نے اسی نام سے شہرت پائی ۔ شاہ کمال اللہ نے آپ کی تربیت کی اور سلسلۂ نقش بندیہ میں بیعت لے کر سند خلافت عطا فرمائی ۔ شاہ کمال اللہ کی وفات کے بعد آپ نے دنیاوی تعلقات سے ھاتھ کھینچ لیا اور گھر کے اثاثہ و نقد و جنس کو راہ خدا میں صرف کرنا شروع کیا ۔ ھر بہانے سے خلق خدا کی خدمت میں حصہ لیتے ۔ ایک دفعہ ملک میں سخت قحط پڑا اور لوگ بھوکے مرنے لگے ۔ آپ نے خلق اللہ کی امداد کی غرض سے ایک مکان بنوانا شروع کیا ۔ دن کو جس قدر مکان تیار ھوتا آپ کوئی نہ کوئی نقص نکال کر رات کے وقت اس کو گرا دیتے ۔ اس بہانہ سے ایک عرصے تک محتاجوں اور ناداروں کی امداد کرتے رہے ۔ ۱۱۵۰ھ میں آپ حضرت خواجہ عبدالباری اوسی مدنی کے مرید ھوئے اور ۲۰ جمادی الثانی کو دوشنبہ کے دن ۱۱۸۴ھ میں بعارضۂ بخار انتقال فرمایا اور اپنے والد شاہ لطف اللہ کے پائین اندرون مقبرہ زیر حویلی واقع سیسم دفن ھوئے ۔ (روضۃ الرضوان صفحہ ۲۶ ، ۲۸)

آپ کی تمام تصانیف کا پتا نہیں چلتا مگر جن کے نام معلوم ہیں یہ ہیں :

(۱) ''نسخۂ کمال ایوبی'' جس میں حضرت شاہ کمال اللہ اور ان کے مرشد میر ایوب بدخشی کے حالات و مقالات درج ہیں ۔

(۲) ''رسالۂ علم الفرائض'' بزبان فارسی ۔

(۳) ''خواب نامہ'' بزبان هریانہ ۔

(۴) ''جہیز نامہ'' بزبان هریانہ ۔

ان کے علاوہ دیگر متفرق نظمیں بھی حضرت غوث الثقلین و دیگر بزرگانِ دین کی مدح میں لکھی ہیں ؛ ہمیں یہاں ''خواب نامہ'' اور ''جہیز نامہ'' سے تعلق ہے ۔

خواب نامہ پیغمبر

فہرست کتب خانۂ اودھ میں اسپرنگر نے اس کتاب کا ذکر کیا ہے اور یہ جیون کی تصنیف مانا ہے (فہرست صفحہ ٦١٤) ۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے ۔ میرے پاس مختلف شہادتیں ہیں جن کی رو سے یہ کتاب شاہ عبدالحکیم کی تصنیف قرار پاتی ہے :

(۱) میرے پاس ''خواب نامہ'' کا جو نسخہ ہے اس کے خاتمے میں عبارت ذیل درج ہے ۔

''این کتاب خواب نامۂ صلی اللہ علیہ وسلم من تصنیف مقبول رب الکریم شاہ عبدالحکیم بہ تاریخ یازدهم ذیقعد ۱۲۲۹ھ بہ دستخط زشت نمط بندہ پراگندہ عاصی پر معاصی احقر العباد من عباد اللہ شیخ عنایت‌اللہ ولد شیخ حافظ امام بخش متوطن دهلی در شہر رهتک صورت اتمام یافت ۔''

گویا عنایت اللہ اسے شاہ صاحب کی تصنیف مانتا ہے ۔

(۲) ''روضۃ الرضوان'' موسوم بہ ''تذکرۃ الرمضان'' میں ''خواب نامہ'' و ''جہیز نامہ'' حضرت شاہ عبدالحکیم کی مصنفانہ میں

شمار ہوتے ہیں (صفحہ ۲۸) ۔ شاہ محمد رمضان شاہ عبدالحکیم کے پوتے ہیں اس لیے تذکرہ نگار کو جو اسی خاندان کے ایک فرد ہیں ، شاہ عبدالحکیم کے حالات و مصنفات کا صحیح علم ہوسکتا ہے ۔

(۳) لیکن سب سے اہم وہ شہادت ہے جو اصل رسالے یعنی ''خواب نامہ'' میں درج ہے ۔ اس میں مرقوم ہے کہ یہ کہانی اصل میں فقیر رومی نے بہ زبان فارسی لکھی تھی اور عبدالحکیم نے اس کی ہندی کردی ہے ، چنانچہ :

یہ کہانی خوش کہی رومی فقیر ۔۔۔ کرم اپنے سیں توں انکا دستگیر

فارسی ماں تھی کہانی یہ کہی ۔۔۔ ہندوی میں چاہتا اوسکی بہی

ہندوی اس کی کری عبدالحکیم ۔۔۔ کرم کر اپنا تو اس پر اے کریم

اس شہادت کی بنا پر ہم اسے شاہ عبدالحکیم کی تصنیف مانتے ہیں ۔

خواب نامہ کل آٹھ صفحے کا رسالہ ہے جس میں فی صفحہ اٹھارہ سطریں ہیں ۔ اس کا ابتدائی شعر ہے :

شکر حق کہتا ہوں پہلی بات ماں ۔۔۔ شرم میری راکھیو ہر بات ماں

خاتمے کا شعر یہ ہے :

پیار سیں وہ اہے بندہ سب خلق میں
پیار کرتا ہے خدا سب خلق میں

خواب نامہ نیم مذہبی ادبیات سے تعلق رکھتا ہے ۔ اس میں جناب رسالت مآب صلعم کے ایک خواب کا بیان ہے کہ ایک شب آپ عبادت الٰہی کے لیے حسب معمول بیدار نہیں ہوئے اور صبح تک سوتے رہے ۔ اس پر فرمان الٰہی عتاب کے لہجے میں نازل ہوا ۔ آپ عالم یاس میں گھر چھوڑ کر ایک پہاڑ کے غار میں مقیم ہوگئے اور رات دن خدا کی جناب میں گریہ و زاری میں مصروف رہے مگر دریائے رحمت الٰہی جوش میں نہیں آیا ۔ ہر چہار اصحاب رسول نے باری باری اپنی عبادت امت نبی کے بخشوانے کے لیے پیش کی مگر مقبول نہیں ہوئی ۔ آخر حضرت فاطمہ تشریف لائی ہیں اور سر کھول کر درگاہ خداوند بے نیاز میں

دعا کرتی ہیں ۔ آپ کی دعا قبول ہوتی ہے اور سرور کائنات کو آپ کی امت کی بخشش کا مردہ پہنچتا ہے ۔ آپ شاداں و فرحاں واپس اپنے گھر تشریف لاتے ہیں ۔ اس کہانی کے واسطے مصنف نے لکھا ہے کہ درویش روم نے اسے فارسی زبان میں لکھا تھا ۔ بہ ظاہر اس سے مراد مولانائے روم ہیں ۔ میں نے اصل ماخذ کی تلاش میں مثنوی معنوی پر سرسری نظر ڈالی لیکن ایسی کوئی حکایت نظر نہیں آئی جو "خواب نامہ" کی اصل قرار دی جاسکے ۔ میرے پیش نظر نول کشور کی مطبوعہ مثنوی تھی ۔

"خواب نامہ" کی زبان محبوب عالم و اکرم کی زبان کے مقابلے میں تھا بہت سہل اور آسان ہے ۔ اس میں ٹھیٹھ ہندی الفاظ بہت کم لائے گئے ہیں اور زبان اس عہد کی اردو کے نہایت قریب آ گئی ہے ۔ اگرچہ ہریانی کی اکثر خصوصیات موجود ہیں ۔ فعل مضارع و مستقبل میں جمع غائب کا فرق نمایاں ہے ، مثلاً مضارع :

استاں پیاری لگاں مجھ آپ سیں

اور مستقبل :

کس طرح چھوٹانگے اس سیں عام خاص

اس زبان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں الفاظ کے صحیح تلفظ کی مطلق پروا نہیں کی جاتی ۔ لفظ کو توڑ مروڑ کر وزن کا تابع کر لیا جاتا ہے ۔ میں اس کی ایک دو مثالیں دیتا ہوں ۔ مثال آیندہ میں بڈھے اور جوان کے لفظ زیر نظر ہیں :

استاں تیری بڈھے یا جوان ہوں
ان عذابوں سے کبھی خالی نہوں

آنے والی مثال میں تشدید کا استعمال ملاحظہ ہو :

دیکھ لیّا کچھ نہ ہوّا کارگر

"کہا" کا استعمال :

کہا اے بابا ترا کیا حال ہے

'هر روز' کی مثال :

آوتی ہے ان پہاڑونسے ہر روز

یہاں ''خواب نامہ'' کے خاتمے سے کچھ ابیات دیے جاتے ہیں تاکہ نمونہ معلوم ہو جائے ۔ مصنف نے ان اشعار میں شیخ ابراہیم بن ادہم بلخی (متوفی ۱۶۲ھ) کی ایک حکایت نقل کی ہے جو دوستی دوستان خدا کے اخلاقی پہلو پر روشنی ڈالتی ہے :

شاہ ابراہیم ادہم ایک رات دن
تھا خدا کی یاد میں سب جان تن

دیکھتا کیا ہے فرشتہ ہے کھڑا
لکھتا ہے کاغذ کے اوپر کچھ کھڑا

پوچھا کیا کرنے گیا کچھ کام نوں ؟
جب فرشتہ نے کہا بتلائی دوں

نام اوسکے دوستوں کا میں لکھا
کیا نبی اصحاب اور کیا اولیا

جب کہا میرا بھی اس میں نام ہے ؟
کہا کچھ نانہ ہے نہ لھانو نہ کانو ہے

رو پڑا ادہم جو ایسی بات سوں
کہا حق آگے جو اپنے دھیان سوں

جو نہیں ہے نام میرا اے خدا
دوستوں کی دوستی ماں رکھو سدا

دوستوں کی دوستی مجھ دل بسے
بلت میری سامھہ ہے توں مان لیے

حکم حق آیا فرشتے کوں تبھی
نام اس کا لکھ سرے پر توں ابھی

جو کوئی ہے دوست میرے دوست کا
دوست ہے جو دوست ہووے دوست کا

دوست میرا جانکر کر دوستی
میں بھی رکھتا ہوں اسی سے دوستی
پیار سے رہ اے بندہ سب خلق میں
پیار کرتا ہے خدا سب خلق سے

۵ - شاہ غلام جیلانی رہتکی

شاہ عبدالحکیم کے حالات میں شیخ قوام الدین اور ان کے دو فرزند قاضی افتخار الدین اور مولانا کبیر الدین کا ذکر اس سے پیشتر آ چکا ہے ۔ شاہ غلام جیلانی قاضی افتخار الدین کی اولاد سے ہیں ۔ قاضی صاحب کے فرزند شیخ عماد الدین قصبۂ سمہم میں قاضی و مفتی و محتسب تھے ۔ ان کے بعد یہ عہدہ ان کے خاندان میں موروثی رہا ۔ شاہ غلام جیلانی کے والد شاہ بدر الدین المشتہر بہ اوحد شاہ پہلے شخص ہیں جو مسند قضا ترک کر کے معرفت و سلوک کے سجادے پر قدم رکھتے ہیں اور احتساب خلق سے منہ موڑ کر احتساب نفس میں مشغول ہوجاتے ہیں ۔ یہ خاندان قدیم سے ہریانے میں دینی برکات و علمی روایات کا علم بردار رہا ہے ۔

شاہ غلام جیلانی کا سال ولادت ۱۱۹۵ھ ہے ۔ آپ ابھی خورد سال ہی تھے کہ آپ کی والدہ ماجدہ انتقال فرما گئیں ۔ اس واقعے کے بعد آپ اپنے ماموں کے پاس پورب چلے گئے اور وہیں تعلیم و تربیت پائی ۔ ماموں بڑے امیر تھے ۔ انہوں نے نہایت محبت سے ان کی پرورش کی اور جب بڑے ہوئے ، ان کی قابلیت اور تدبر کو دیکھ کر انہیں اپنا نائب بنا دیا اور جاگیر و فوج کا سارا کام سپرد کر دیا ۔ لیکن شاہ صاحب نے اس وقت بھی اپنے پدر بزرگ وار کی روایات کو قائم رکھا ، یعنی دن رات عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ۔ چناں چہ دوستوں نے آپ کا نام قطب رکھ دیا ۔ جب ماموں کا انتقال ہوگیا آپ چار پلٹنوں کے افسر بنا دیے گئے ۔ آخر وہ وقت آیا جب آپ تعلقات دنیوی سے تنگ آ گئے اور ملازمت سے استعفا دے کر واپس وطن چلے آئے اور بہت جلد والد ماجد سے خرقۂ فقر حاصل کر لیا ۔ اس کے علاوہ دیگر بزرگوں سے بھی

اجازت نامے حاصل کیے - ۱۲۰۵ھ میں والد کے انتقال کے بعد آپ حرمین شریفین تشریف لے گئے اور حج و زیارات سے مشرف ہو کر مع الخیر وطن آگئے ۔ آپ کا دوسرا سفر بغداد و کربلائے معلیٰ تک ہوا اور بعد واپسی وطن ہدایت خلق اللہ میں مشغول ہوگئے - ۱۲۳۵ھ میں بخار و درد شکم میں مبتلا ہو کر سترھویں شوال کو جمعے کے دن وفات پائی ۔

فارسی و ہندی میں متعدد تصنیفات آپ کی یادگار ہیں - بعض کے سا ذیل میں مذکور ہیں :

(۱) ''لطائف السلوک'' : یہ تصوف کا ایک رسالہ ہے ۔

(۲) ''شرح فارسی چوپائیہا'' : ہندی چوپائیوں یا رباعیوں کی شرح ہے اور چھپ چکی ہے ۔

(۳) ''اسناد الاشجار'' : جن سلسلوں سے آپ کو نسبتیں تھیں ان کے شجرے ہیں ۔ ۱۲۲۰ھ کی تالیف ہے ۔

(۴) ''رسالۂ طریق الہدیٰ'' ۔

(۵) ''رسالۂ ازالۃ الامراض'' ۔

(۶) ''اثبات وحدت الوجود'' ۔

(۷) ''رسالۂ واجب ممکن'' ۔

(۸) ''رسالۂ زبدۃ السالکین'' ۔

(۹) اس کے علاوہ پارۂ عم کی مختلف سورتوں کی تفسیریں بھی لکھی تھیں ۔

ان تالیفات سے ظاہر ہے کہ آپ کا وقت دینی خدمت گزاری بالخصوص تلقین و تعلیم تصوف میں صرف ہوا ہے ۔ ہم کو ان کے باقی کارناموں سے قطع نظر کر کے جو اکثر فارسی میں ہیں ، یہاں ان کی ہندی چوپائیوں پر تبصرہ منظور ہے جو لسانی حیثیت سے براہ راست ہمارے موضوع سے وابستہ ہیں ۔ یہ چوپائیاں ٹھیٹھ ہریانی زبان میں لکھی

گئی ہیں اور ان کی رو سے ان پر نظر ڈالتے ہوئے بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعری کی حامل ہیں ۔ ہندوستان میں ہندی گو شعرا کے طبقے میں ایسے پاکیزہ خیالات و شریف جذبات کے ترجمان بہت کم شعرا ہوئے ہیں ۔ کبیر اور بلھے شاہ کے ساتھ ان کا نام بھی لیا جاسکتا ہے ۔

موضوع کے لحاظ سے یہ رباعیاں طالب صادق کے لیے درس ناطق ہیں ، جن میں طلب مرشد کامل ، تجرید و تفرید ، طلب صادق ، عشق کامل ، استغراق و محویت و دیگر مراتب عرفان کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں ، مگر ان میں ایسا عنصر بھی موجود ہے جس سے عوام بھی متمتع ہوسکتے ہیں ۔ ان رباعیوں کی امتیازی شان یہ ہے کہ ان کا آخری مصرع بالعموم کسی نہ کسی ضرب المثل پر آکر ختم ہوتا ہے ۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ایجاز و اختصار کی بہترین مثال ہیں اور اسی لیے مصنف کو ان کی شرح کی ضرورت محسوس ہوئی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے ۔ ۱۳۱۶ھ میں انور رشک نے ان کی اردو شرح موسوم بہ ''قانون سلوک'' لکھی ہے اور یہ شرح میرے پیش نظر ہے ۔

رباعیوں کا نمونہ دیتے وقت میں مناسب سمجھتا ہوں کہ پہلے ہر رباعی کا مختصر سا مطلب بیان کر دیا جائے اور بعد میں اصل رباعی نقل کر دی جائے تاکہ ان کے مطالب کے سمجھنے میں دقت نہ ہو ۔

دنیا کی مذمت : کہتے ہیں کہ اس دنیا پر کون اعتماد کرسکتا ہے ۔ جب دیکھا جاتا ہے کہ ہمیں اس سے کیا نفع حاصل ہوا تو نتیجہ صفر نکلتا ہے ۔ وہ صرف نمائش اور دکھاوے کی ہے ، لیکن ہر حال میں بے فیض ۔ ٹیسو کو دیکھتے نہیں جب پھولتا ہے کس قدر خوش آیند اور خوش نما نظر آتا ہے مگر ہمیشہ بے ثمر ہے ۔ بالفاظ دیگر دنیا دیکھنے کی ہے برتنے کی نہیں :

ایسے جگ کو کو پتیاوے   جب ڈھونڈے جب کچھو نہ پاوے
دیکھن کا پرنت ہے اوت   ٹیسو پھولے سدا نہ پھوت

ترغیب عمل : جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لو ، کہیں موقع حاصل ہے ۔ اگر موقع کھو دیا تو کف افسوس ملتے رہو گے ۔ زمانہ تمھاری عمر عزیز کو لحظہ بہ لحظہ اور دم بہ دم گھٹاتا جا رہا ہے ۔ یاد رکھو جب کولھو کٹتا ہے تو اس کی موگری بنا کرتی ہے ۔ کولھو سے رس اور تیل تیار کیا جاتا ہے ؛ اس سے مراد استطاعت عمل نیک ہے ۔ موگری سے خالی کھوپڑیاں ٹھوکی جاتی ہیں ؛ اس میں اشارہ ہے سر پیٹنے اور افسوس کرنے کی طرف ، یعنی اگر نیک عمل کا وقت کھو دیا تو سر پیٹنا اور افسوس کرنا پڑے گا ۔ کہتے ہیں :

کر لے جو کچھ کرنا ہو   پھر نوا پچھتانا ہو
یہ جگ تیرا چھن چھن چھنے   کولہو کٹے اور موگری بنے

اعمال نیک و بد : تمھارے اعمال اگر نیک ہیں تو بہشت مقام ہے ۔ اگر برے ہیں تو دوزخ ٹھکانا ہے ۔ جیسا بوؤگے ویسا کاٹوگے ۔ نیک عمل کو آفرین اور بد عمل کو پھٹکار ہے :

بھلی کرے تو سرگ بساوے   بونجی بری نرگ لے جاوے
جیسا بووے ویسا لے   دھرمی جیے اور پاپی چھے

اصلی اور نقلی پیر : جب شہر عشق کی گدڑی بگڑ گئی ، کم مایہ بنیے سیٹھ بن بیٹھے ، اوچھی پونجی سے دکان آرائی کی ۔ وہی مثل صادق آئی کہ اندھوں میں کانا راجا :

جب ہم نگر کی اوجڑی پینٹھ   سگرے بنیے ہوگئے سیٹھ
اوچھی پونجی ھوا بناؤ   اندھوں بیہنر کانا راؤ

ہادی کی ضرورت : سالک کو تنہا جانے میں بھٹک جانے کا خطرہ ہے ۔ نابینا تنہا جاتا ہے اور گر گر پڑتا ہے ۔ لغزشوں اور غلط رویوں کے بعد رہبر کامل تلاش کر ۔ ٹوٹی گاڑی تو بڑھئی کے دروازے پر ہی لائی جاتی ہے :

آپ چلے تو بھلا چلے   اندھا دوڑے گر گر پڑے
بھول بھٹک کے گرو سنوار   گاڑی ٹوٹی کھاتی دوار

جھوٹے پیروں کی مذمت : فرماتے ھیں کہ شیخ فانی نام رکھا کر پیر بنے ھیں ۔ مرید بناتے ھیں اور انھیں بھکاتے ھیں ۔ زبانی جمع خرچ سے راہ معرفت طے کرانے کے مدعی ھیں اور عمل میں پیادہ ھیں ۔ ان پیروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اناڑی نائی ھو اور بچے کا سر چھیل کر رکھ دے :

اناڑ رکھا کر گرو کہاوے ۔ چیلے پکڑے اور بھٹکاوے

جوگ کا مارگ پاؤں کیلے ۔ اناڑی نائی سر کو چھیلے

شغل عبادت اور مرشد کی طلب : جب تک شیخ کامل ملے ، بے کار نہ ھو ، اپنا وقت عبادت الٰہی میں گزارو ۔ دیکھتے نہیں بنیا خالی نہیں بیٹھتا ، اور کچھ نہیں تو باٹ ھی تولتا رھتا ہے :

جب لگ گر سے بھینٹ نہو ۔ دترات سکھ سے مت سو

کچھ تو کر میرے مِیتا پیارے ۔ ٹھالا بنیا باٹ ھی ھاڑے

پیر کے ارشادات سے تساھل : جب ھادی کامل مل جائے ، لازم ہے کہ اس کے ارشاد و تلقین پر مستعدی سے کار بند رھو ۔ ایسا نہ ھو کہ اس کی ھدایات پر تساھل سے کام لو ورنہ بد نصیب رھوگے :

جب لگ نہو گُرو کا ساتھ ۔ کیسے پاوے مر کی بات

گر پاوے اور ھو سیلا ۔ کم بختی کا آٹا گیلا

اسی بحث کو جاری رکھتے ھوئے کہتے ھیں کہ شیخ کی ھدایت کو دل کے کانوں سے سنو اور غور کے ساتھ ان پر عمل پیرا ھو ۔ اگر وہ بال رنگنے کا حکم دے تو بال رنگ لو ۔ قاعدہ ہے کہ انسان جس ملک میں جاتا ہے اسی ملک کے اوضاع و اطوار اختیار کر لیتا ہے ۔ خواجہ حافظ فرماتے ھیں :

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید

کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہتے ھیں :

گُرو کے بچن جی سے سن   ہردے چھن چھن پورا گن
اس کے کہنے رنگ لے کہس   جیسا دیس ویسا بھس

نفس امارہ : تمھارے اندر ایک چور ہے ، جیسے بنے اس کا زور توڑو - جب اس کا زور ٹوٹے گا تب راہ راست پر آئے گا - مال حرام حرام میں جائے گا :

ایک ہے تیرے اندر چور   جہاں ملے ہل اس کا توڑ
ٹوٹے جب وہ سیدھا بن جا   پاپی مال پرایت جا

خصائل ذمیمہ : دشمنان باطنی یعنی حرص و شہوت و غضب وغیرہ تعداد میں بے شمار ہیں اور سب تیری مخالفت میں متحد ہیں - اس بات اسی وقت امن میں رہے گا جب انہیں سولی دے دی جائے - یہ سب زبردست ہیں اور سب کی ایک زبان ہے :

گھٹ کے بیری گنے نہ جان   کام بڑے ہر سبھ مل جان
بچے جبھی جب دیوے سولی   چوروں ٹولی ایک ہی بولی

صفات مذمومہ کا علاج ریاضت ہے : یہ باطنی دشمن جھوٹی باتیں بنا بنا کر تجھے برباد کرتے ہیں اور تیرے قلب کو ورغلاتے ہیں ریاضت کر اور انہیں راہ راست پر لا - مار کے آگے بھوت بھاگتا ہے :

جھوٹی باتیں تجھکو کھوویں   اندر تیرے سب مل موہیں
کشٹ کرے تو ہو جان سانچے   مار کے آگے بھوتنا ناچے

ریاضت و مجاہدہ : مجاہدے کے بغیر راہ معرفت نہیں ملتی اور اتنا چل کہ اہل قافلہ سے جا ملے - یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اضافت اعمال کی جو اب جتانا ہے انانیت اپنی طرف کر رہا ہے ، ترک کر دے اور توفیق الٰہی شامل حال ہو :

بن کشٹ نہ مارگ ملے   یہاں تک چل جو سنگ جا رلے
ہونگے تب جب کرتب چھوٹے   ہل کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے

طلب صادق : راہ خدا میں طلب صادق ضروری ہے - نادان دوڑے اور گرے گا - حصول مراد میں دیر لگتی ہے مت گھبرا اور صبر سے

کام لے۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ پہلے کودوں ہوتی ہے اور پھر دھان۔

عیب میں اچھا نہیں دوڑ چلنا
جو آگے بڑھے ہیں وہ پیچھے رہے ہیں

پوری دمن کا پوری کرے — سو رکھو دوڑ سے کر کر بڑھے
دن بیتن کا سب کر گیان — پہلے کودوں پاچھے دھان

دل بیار و دست بکار: مراقبہ کرو اور توجہ الی اللہ سے کام لو اور عشق الٰہی کی شراب پیتے رہو۔ آہستہ آہستہ تمھاری رسائی ہوگی۔ بے صبر مت بنو، تیل اور تیل کی دھار دیکھو:

ہر سے گیان لگا اور جی — مدھوا اس کا چپ چپ پی
دھیرج دھیرج پاوے پار — دیکھو تیل تیل کی دھار

عبادت کی غرض و غایت: کہتے ہیں عبادت کا مقصد قرب الی اللہ ہونا چاہیے نہ نعیم جنت۔ بہشت کے لیے عبادت عاشق صادق کے نزدیک جہنم سے بدتر ہے:

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لے کر بہشت کو

جنت کے واسطے ترک دنیا ایسا ہے جیسے کوئی شخص دنبہ دے کر مینڈھا لے۔ ایسا شخص عشق حقیقی کے ذوق سے نا آشنا ہے، خود ناقص ہے اور دوسروں پر نکتہ چینی کرتا ہے:

ہر کو بھجے اور مانگے سرگ — پر ہی جانے اس کو نرگ
چھوڑے دنبہ لیوے مینڈھا — ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا

عبادت خالص: عبادت میں سالک کے لیے خلوص شرط ہے۔ وصال حق اور قرب جنت دو مختلف راستے ہیں۔ دو رنگی چھوڑو، یک رنگ ہو جاؤ ورنہ تمھاری وہی کیفیت ہوگی جو دھوبی کے کتے کی ہے: گھر کا ہے اور نہ گھاٹ کا:

ایک رنگ ہو پی کن چلے — دھیرے دھیرے ہر سے ملے
دبدھا میں من جاوے پھاٹ — دھوبی کا کتا گھر نہ گھاٹ

سالک کی راہ میں دشواریاں : وصول الی اللہ کا راستہ آسان نہیں ہے ، اس کی منزلیں کٹھن ہیں ۔ جب منزل مقصود پر پہنچ جاؤ ، تب جانو کہ فائز المرام ہوئے ۔ ورنہ اس راہ میں قدم قدم پر دشواریاں حائل ہیں اور خطرہ سامنے کھڑا ہے ۔ ان منازل میں اکثر ایسا ہوا ہے کہ اونٹ چڑھے مسافر کو کتا کاٹ لیتا ہے ۔ آپ لوگوں کو مرزا غالب کا شعر یاد ہوگا :

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

لیکن شاہ صاحب کہتے ہیں :

ھر کو مارگ سہج نہ جان پوری پڑے تب لاگے دھیان
تس پر ڈر ہے کھانڈے باٹے اونٹ چڑھے بھی کتا کاٹے

جذب و استغراق : جو شخص عشق الٰہی میں غرق ہے وہ ماسوی اللہ سے بے تعلق ہو جاتا ہے ۔ نہ اس پر کسی کی تعریف کا اثر ہوتا ہے نہ تنقیص کا ۔ وہ اپنے حال میں مست ہے ، نہ ساون سوکھا اور نہ بھادوں ہرا :

جس کی دھن ہر ساتھ لگے پھر وہ سب سے ٹوٹ رہے
تاں کبھی چکنا تاں کبھی روکھا ساون ہرا نہ بھادوں سوکھا

ہویت حقیقی : جب محبوب کی دھن ہے تو پھر زمانے کے گرم و سرد اور راحت و غم کی تمیز باقی نہیں رہنی چاہیے ۔ جب ناچنے نکلے ہو تو پھر حیا کیسی :

جب دھن لاگی پی کے سنگ تتا سیلا ایک ہی رنگ
پھر کیا سوجھے ایسا ویسا ناچن نکل گھونگٹ کیسا

دیگر ہریانوی اہل قلم

اب ہم جوہانیوں سے رخصت ہو کر دوسرے امور کی طرف توجہ کرتے ہیں ۔ بدقسمتی سے یہ مضمون اس قسط میں ختم نہیں ہوا اور مواد

اس قدر موجود ہے کہ ایک اور قسط کے لیے کافی ہے مگر بہ خوف طوالت آج اسی پر اکتفا کی جاتی ہے ۔ البتہ یہاں مختصراً ان اہل قلم ذکر کر دیا جاتا ہے جو اس مضمون میں شامل ہونے سے رہ گئے ہیں ان میں سب سے زیادہ معروف اور محترم شخصیت شاہ محمد رمضان شہید کی ہے ۔ وہ ہریانہ دیس کے صحیح معنی میں مصلح اور ہادی ہیں ان کی عملی زندگی کے کئی پہلو ہیں یعنی فقہی ، روحانی ، اصلاحی ، او ادبی ۔ آخرالذکر حیثیت کی تفصیلات کے لیے علیحدہ مضمون کی ضرورت ہے میں یہاں ان کی ہریانی زبان میں تالیفات [۲] کے نام درج کرتا ہوں ۔

(۱) 'آخرگت' : 'قیامت نامہ' کی طرز کی مثنوی ہے ۔ ۱۲۲۲ھ اسی سال تصنیف ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ۔ مولوی محمد ساکن لکھوکی نے اس کا ترجمہ بہ اضافۂ بعض مضامین پنجابی زبان میں کیا ہے اور 'احوال الآخرۃ' نام رکھا ہے ۔ آخرگت ۱۸۸۵ء میں مطبع نامی دہلی میں چھپی تھی ۔

(۲) 'بابل باغ محمد' : ۱۲۲۶ھ کی تالیف ہے ۔ اس مثنوی میں

---

۱ ۔ شہادت ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۵ء (مرتب)

۲ ۔ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں کے نام منظور الحق صدیقی صاحب نے دیے ہیں :

(۱) قصیدۂ امالی کا ہریانی زبان میں ترجمہ و تشریح ۔
(۲) بوڑھی بیاض ۔
(۳) فتاویٰ محمدی (ہریانی نظم میں)
(۴) رسالہ رمضانی (علم فرائض سے متعلق)
(۵) رسالہ برق لامع (ہریانی نثر میں)
(۶) رسالہ رد روافض (فارسی نثر میں)

قصیدے کو چھوڑ کر باقی پانچ نام 'روضۃالرضوان' مولفہ مولوی عبدالشکور صاحب سہمی سے نقل کیے گئے ہیں ۔

'ہادیٔ ہریانہ' ، صفحہ ۲۲ (مرتب

چہل حدیث قدسی و نود و نہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی اور دیگر نکات مفیدہ درج ہیں ۔

(۳) 'رنگیلی': ہندی بحر میں ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں اہل معرفت کے لیے ہدایات ہیں ۔

(۴) 'عقائد عظیم': مذہبی مسائل پر ایک تالیف ہے جو چھپ بھی گئی ہے ۔

(۵) 'نصیحت نامہ'۱ : بچوں کے لیے اخلاقی کتاب ہے ۔

(۶) 'وصیت نامہ' ۔

ایک اور اہل قلم انعام بخش تھانیسری ہیں ۔ تھانیسری تخلص ہے اور مختلف منظوم دینی رسالوں کے مصنف ہیں ۔

نوابان جھجھر کے دور میں ایک شاعر شیخ غلام نبی نارنولی ہیں ۔ وہ نواب فیض محمد خان (۱۸۱۴ء و ۱۸۳۵ء) کی سرکار میں بہ مشاہرہ ۶۰ روپیہ ماہوار ملازم تھے اور ٹوہ ، ٹھمری ، بارہ ماسہ ، خیال و کبت میں مہارت رکھتے تھے ۔ شیخ نے ''راگ مالا'' بہ زبان ہندی لکھی ہے (تاریخ جھجھر ، صفحہ ۲۱۳ ' ۱۸۶۶ء) ۔

اسی عہد میں مہم میں ایک بزرگ غلام حسین چشتی ہیں ۔ ہریانی زبان میں ایک راگ مالا ان کی یادگار ہے اور سہی تخلص ہے ۔ پیر زادۂ محمد حنیف کی بیاض سے یہاں ان کے کلام کا نمونہ دیتا ہوں ۔ (ایک ضدی عورت کا گیت)

برج رہا سارا دیس ری میں ایک نمانی
ساس بھتیرا میں سمجھائی   دیور اتاری پاگ ری
سسرا چھوہ کیا بھتیرا   جیٹھ اٹھائی سانگ ری
میں ایک نمانی

۱۔ غالباً اسی کا ہریانی نام 'ادب چھو کرہ' ہے ۔ مختصر منظوم رسالہ ہے ۔ (مرتب)

نند بھاوج کی لاج گنوائی — سیندھک کھولی مانگ ری
گلی گلی میں ناچن لاگی — ایسی لائی لاج ری
میں ایک نمانی

پنڈت پوچھ سگن مناوت — متھا اڑاوت کاگ ری
ان پاپی نے ایسی کینی — نین لگا کیو بھاگ ری
برج رہا سارا دیس ری میں ایک نمانی

ہریانی زبان میں گیت بھی کثرت سے ملتے ہیں۔ بعض ان میں سے تاریخی دلچسپی کے ہیں اور واقعات عصری پر روشنی ڈالتے ہیں۔ میں یہاں اسی قسم کا ایک گیت سناتا ہوں جو مسٹر ولیم فریزر اور سروپ[1] سے متعلق ہے۔ یہ صاحب دہلی کے ریزیڈنٹ تھے اور ۱۸۳۵ء میں قتل کیے گئے۔ یہ قتل سیاسی نہیں تھا۔ اور شاعر مشہور نواب مرزا خان داغ دہلوی کے والد نواب شمس الدین خان والی فیروز پور جھرکا اس قتل کے سلسلے میں ماخوذ ہوئے اور پھانسی کی سزا پائی۔ یہ گیت ہر حال میں ۱۸۳۵ء سے قبل جوڑا گیا ہوگا۔

سروپ

۱۔ دھر کلکتہ سے چلا فریزن — پانچوں پیر منانے
رب جانے پانچوں پیر منانے

پانچ مقام دلی میں کر کے — چھٹا گنگا نے گاؤں
رب جانے چھٹا گنگا نے گاؤں

دھولے کنویں پر تنبو تانا — سروپ ملتی ناہ
رب جانے سروپ ملتی ناہ

گلی گلی چوڑاسی پھر گئے — گھر گھر تھانے دار
تیرا مرہیو تھانے دار

---

[1] سروپ اس ہندو جاٹنی کا نام ہے جسے فریزر نے اغوا کیا تھا (مرتب)

کیہی فریشن کام عہ رہے سن اے سارا کام
تیرا سرہو سارا کام
جو کوئی سرون بھال لگاوے ھاتھی دون انعام
رب جانے ھاتھی دون انعام

کسی ویری نے بھال لگائی سرون کھیت کو جائے
رب جانے..........
سر پر جھبڑا ھاتھ ماہ دراتی باجرہ کاٹن جائے
تیرا سرہو..........
باجرہ کاٹی سرون پکڑی درانتی ڈھونگے ماہ
تیرا سرہو..........
سرون رو رو گال سناوے ھنس ھنس ٹالے تھانیدار
ترا سرہو..........

۳- ھاتھ ماں بیلوا بلوے میں سیس گندھاون جائے
کنگھی
رب جانے..........
ایسا توسرمیرا گوندھ نائی کے سانپ لہرے کھائے
ترا سرہو..........
تاپان کے گھر سرون بیٹھی باھر پکارے تھانہ دار
سرون رو رو گال سناوے ھنس ھنس ٹالےتھانہ دار[۱]

۱- اس گیت کا قلمی نسخہ جناب منظورالحق صدیقی پروفیسر کیملٹ کالج حسن ابدال کے پاس ہے جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب ''ھادی' ھریانہ'' میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے اس کے پانچ بند نقل کیے ہیں۔ چوتھا اور پانچواں بند درج ذیل ہیں: (بقایا حاشیہ صفحہ ۳۱۸ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۷)

۴۔ اتنا سانا گوند رے ناتی کے　　ٹھاڈا لیو جای

ترا سر ہو.................

سانا بھے نومل رے ناتی کے　　پھر کیا ہو تربائ
بھائی بہیناں سب تو مل گئے　　امی چند سانا تائ
کام گنگا نے سو ہسو بسیو　　امی چند آوتا جا

ترا سر ہو.................

۵۔ دھرتی کا بیٹھنا چھوڑ دے ری سرون ،
مونڈھے کا بیٹھنا لے
اوڈھنی کا اوڑھنا چھوڑ دے ری سرون ،
ٹوپی کا پہنا لے
گھگرا آنگی پہرنا چھوڑ دے ری سرون ،
سائے کا پہرنا لے
چوکا بیٹھنا چھوڑ دے ری سرون ،
گانا بجانا لے
سرم لاج کو چھوڑ دے ری سرون ،
ساتھ سلانا سیکھ
"ہادی" ہریانہ" صفحہ ۴۴ - (مرتب)